تطہیرِ بائبل

(جلد اوّل)

اعجاز چوہدری

تطہیرِ بائبل

(جلد اوّل)

مصنفہ

اعجاز چوہدری

فیتھ پبلشرز

وینڈالہ روڈ، شاہدرہ غربی — لاہور

نام کتاب : تطہیرِ بائبل

مطبع : اردو ڈائجسٹ پرنٹرز ۲۲ سرکلر روڈ لاہور

طابع : ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی

ناشر : فینتھ پبلشرز۔ ونڈالر روڈ
شاہدرہ غربی لاہور

کتابت : خوشخطی کالج اردو بازار لاہور

اہتمام : مراد جاوید، جمال ناصر

فیتھ پبلشرز، ونڈالر روڈ شاہدرہ غربی لاہور

مصنّف

کچھ لوگ بظاہر باغی نظر آتے ہیں لیکن ان کا باطن ایک ایسے سوز سے ہوتا ہے کہ وہ سوز جب دلدوز چیخ کا روپ دھار لے تو یقیناً پتھر بھی پگھل جاتے ہیں یہی ایک سوز تھا جو میں عرصۂ دراز سے اپنے بھائی جناب اعجاز چوہدری کی باطنی شخصیت میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ اکثر محفلوں میں مسیحیت کے ساتھ ہونیوالی زیادتیوں کا تذکرہ کرتے لیکن میں انھیں ہمیشہ وقت کے انتظار کی تلقین کرتا۔

اور

آخر وہ وقت آگیا کہ وہ اپنے سوز دروں کو تطہیر بائبل کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

اعجاز چوہدری صاحب ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو بمقام ڈنگا ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ سی ایم آئی ہائی سکول اور مرے کالج سیالکوٹ کے فارغ التحصیل ہیں اور اوائل عمر سے ہی عاجز ضیائی کے نام سے مسیحی ادب کی خدمت کرتے رہے ہیں۔

آپ نے اس کتاب کی تحریر و تشہیر کے لئے تن۔ من۔ دھن کی بہت بڑی قربانی دی ہے اور میں دعا گو ہوں کہ خداوند تعالےٰ ان کی اس محنت و جرأت کو پاکستان اور ساری دنیا کے مسیحیوں کے لئے بار آور فرمائے

آپ کا

مراد جاوید

ڈنڈا اردو۔ شاہدرہ غربی

لاہور

انقلاب

جو لوگ تنگ نظری کا شکار ہیں اور حقیقتوں سے چشم پوشی کے عادی ہیں۔ وہ اعجاز چوہدری صاحب کی اس کاوش کو شاید ایک تنقید ہی سمجھیں۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو تطہیر بائبل میں ایک حقیقت۔ ایک انقلاب اور ایک لائحہ عمل مضمر ہے۔ خدا کرے کہ ان کی یہ انقلابی تحریر و تحقیق ہمارے دلوں میں انقلابِ عظیم پیدا کر دے۔

آپ کا

لطیف بھٹی۔ وڈالہ روڈ۔ شاہدرہ غربی۔ لاہور

انتساب

ان لوگوں کے نام جو بقول پولس :-

وہ خدا کے بارے میں غیرت تو رکھتے ہیں مگر سمجھ کے ساتھ نہیں۔ اس لئے کہ وہ خدا کی راست بازی سے ناواقف ہو کر اور اپنی راست بازی قائم کرنے کی کوشش کر کے خدا کی راست بازی کے تابع نہ ہوئے۔

رومیوں ۱۰ / ۳۔۴

حرفِ اوّل

جو لوگ مسیحیت کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ اعمال کی کتاب کے اُس واقعہ کو ضرور جانتے ہوں گے جو کہ حبشی خوجہ اور فلپس کے درمیان رونپذیر ہوا تھا۔ مجھے وہ کہانی دُہرانے سے کوئی سروکار نہیں، لیکن وہ الفاظ ضرور دُہراؤں گا جو فلپس نے اُس وزیر کو کہے تھے جو کہ یسعیاہ نبی کا صحیفہ پڑھ رہا تھا۔ اعمال کی کتاب میں یوں مرقوم ہے:

"پس فلپس نے اس طرف دوڑ کر اُسے یسعیاہ
نبی کا صحیفہ پڑھتے سُنا اور کہا جو تو پڑھتا
ہے اُسے سمجھتا بھی ہے۔" (اعمال ۸:۳۰)

اگر یہی سوال فلپس جیسا کوئی مردِ خدا آج ہم سے کرے تو یقیناً ہم بوکھلا جائیں گے، کیونکہ ہم حبشی خوجہ کی طرح دو ٹوک جواب نہیں دے سکتے۔ "کہ یہ مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے جب تک کوئی مجھے ہدایت نہ کرے۔" کیونکہ ہم آج ہدایت کرنے والوں کے ایک ایسے جم غفیر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ہماری ذہنی قوتوں کو کچل کر محض اداکار بنا دیا ہے اور آج ہم کٹھ پتلیوں کی طرح وٹمکین کے ارشادات اور ویسٹ منسٹر کے اعتقادات پر ناچتے پھر رہے ہیں، اور ہماری تاریں مذہب کے لبادے میں لپٹے ہوئے بت پرستوں اور متعصب یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں

جو ہمیں جس طرح چاہتے ہیں جُنبش دیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں روک لیتے ہیں، اور اس طرح سے ہمارے ذہنوں میں ایک ایسا جمُود پیدا ہوتا جا رہا ہے جو ہمیں اپنے اُس مرکز سے دُور لئے جا رہا ہے جس کی بشارت ایک پاکیزہ کنواری حضرت مریم کو دی گئی تھی۔ اور ہمارا حال کرنتھس کی اُس کلیسیا سے زیادہ بدتر ہوتا جا رہا ہے جو اپنے آپ کو پولس۔ اپلوس کیفا اور مسیح کا سمجھتی تھی اور اس کلیسیا کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی تھی جس کا مرکز مسیح اور واحد المسیح ہے۔ اس لئے زیرِ نظر کتاب میں ہم نے اُس مرکز کو جانے والے پُرپیچ راستوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کی نوکیلی چٹانیں راہ گیروں کے دامن میں اٹک جاتی تھیں۔

یُوں تو علمِ الٰہیات کے ماہروں، مفسّروں اور مسیحی فلاسفروں نے اس کارِ خیر میں بہت محنت کی ہے لیکن صراطِ مستقیم کا تعین کرنے کی بجائے مزید الجھاؤ پیدا کر دیئے ہیں۔ انہوں نے ذہن کی بوقلمونیوں سے راہِ حق میں ایسے نشیب پیدا کر دیئے ہیں کہ یہ عامۃ الناس کا دین فلسفے کا فارمولا بن کر رہ گیا ہے، اور حقیقتوں کو اُجاگر کرنے کے بجائے اپنے اذہان کی پیداوار کو اس خوبصورتی سے اس میں ملا دیا ہے کہ آج کھوٹے کھرے کو علیحدہ کرنا بذاتِ خود ایک فلسفیانہ مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کتاب میں تھیالوجی کے مسائل اور تحقیق سے قطع نظر صرف بائبل کے متن کا ایمانداری سے بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے اور ہر قسم کی پیدا شدہ اُلجھنوں کی تردید و تائید متن ہی سے کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ایک سیدھا سادا مسیحی اپنے ایمان میں مضبوط اور مستحکم ہو سکے کیونکہ ابدی زندگی اور نجات کی ضرورت ایک عام مسیحی اور عالم کے لئے

ایک جیسی ہے جس کے پیش نظر ہم نے کتاب کی زبان سلیس اور دلائل
عام فہم دینے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ لوگ جو بغیر دیکھے ایمان لا
کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، ان دھاندلیوں سے نجات حاصل کر
سکیں جو کہ مذہب کے علمبرداروں نے اپنی گدیوں کی حفاظت کے لئے
پیدا کی ہوئی ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ہماری بدنصیبی کے وہ اندھیرے چھٹ چکے ہیں
جبکہ بائبل چند مخصوص ہاتھوں میں مقید تھی اور نجات کے پروانے
سکوں کے عوض فروخت کئے جاتے تھے اور اس کے لئے ہم ان
شہیدوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنے خون سے ایسی شمع روشن
کہ ہم حقیقتوں کے قریب ہونے کی جسارت کر رہے ہیں کیونکہ ہما
ایمان ہے کہ چٹانوں پر جمی ہوئی مٹی کی تہ بارش کا مقابلہ نہیں کر سک
اور جس دن بھی زوردار مینہ برسا وہ ندی نالوں کی نذر ہو جائے گی ا
خوبصورت، مضبوط چٹان اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوگی ۔ و
چٹان جس پر مسیح نے کلیسیا تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ بار
کیسے ہوگی؟ یہ مینہ کیونکر برسے گا؟ — یہ اس وقت تک نام
ہے جب تک ہمارے جگر کا خون آنسو بن کر ہماری آنکھ سے نہیں ٹ
اور جب حقیقتاً دل ٹوٹ گئے، آنسو امڈ آئے تو ایک ایسا طوفا
آئے گا جو باطل عقیدوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا ا
اس کے بعد یقیناً خدا کی بادشاہت کی راہیں ہموار ہو جائیں گی۔

لہذا میں گزارش کرتا ہوں کہ آپ زیر نظر کتاب "فلسفہ بائبل"
مطالعہ تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر کریں۔ اگر ہم نے ن

سوچا ہے تو ہمیں اپنی مفید رائے سے مطلع فرمائیں اور اگر آپ نے غلط سوچا تھا تو اسس کی اصلاح کریں۔

حالات کے تقاضے اور وقت کی چیرہ دستیوں کے تحت ہم فی الحال کتاب ہذا کا پہلا حصہ آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ لیکن امید کرتے ہیں کہ آپ کی حقیقت پسندی ہمیں باقی حصے بھی زیرِ طبع لانے پر مجبور کر دے گی۔ والسلام

آپ کا بھائی

ایم۔ جان۔ اینجلس

وِنڈالہ روڈ، شاہدرہ غربی

لاہور

وجہِ فکر

ہمارا دَور عجیب نفسا نفسی کا دَور ہے۔ انسانی ذہن اخلاقی طور پر اس قدر پسماندہ ہو چکے ہیں کہ وہ آج ضمیر فروشی کی حدود کو پھلانگ کر ایمان فروشی کی سرحدوں میں داخل ہو رہے ہیں —— ایک زمانہ تھا کہ ایمان اور عقیدہ متاعِ حیات سمجھے جاتے تھے، لیکن آج چند سکے اور کچھ انسانی ضروریات ہمیں اس میدان میں گیند کی طرح اُچھالتی پھر رہی ہیں۔ کوٹھیوں اور کاروں کے خواب دیکھنے والے نوجوان اور غیر ملکی سفروں کے شوقین حضرات نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم مسیح کو بیچنے کی بجائے، اُس حقیقت کو تلاش کریں جس کی خاطر اس نے گلیوں اور میدانوں کی خاک چھانی اور وہ حقیقت بنی نوع انسان کی وحدت تھی۔ لیکن آج اس عظیم ہستی کے پیروکار اس کے جسم کو یوں چیر پھاڑ رہے ہیں جیسے یہ وحدت اُن کی راہ میں پہاڑ بن جائے گی، اور یہوداہ اسکریوتی کی اس نسل کی بدولت مسیحیت ہر روز فرقوں، گروہوں، انجمنوں اور جماعتوں میں بٹ رہی ہے، اور ہر گروہ کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ مسیحیت کو کتابِ مقدس کے عین مطابق منظم کر رہا ہے۔ لیکن ایک گروہ اسی کتاب کے حوالے سے ڈبکی لگاتا ہے تو دوسرا چُلّو بھر پانی انڈیل کر بپتسمہ کی رسم ادا کرنا چاہتا ہے، جبکہ تیسرا جھنڈے کے نیچے سے گزارنے کو فوقیت دیتا ہے۔ اسی کتاب کے حوالہ سے چند مسیحی سنیچر اور باقی اتوار کو سبت مانتے ہیں۔ اسی کتاب کے اقتباسات

گرجہ گھروں میں بُت رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، جبکہ وہی کتاب اُن کی مخالفت کرتی ہے ـــــ ایسا کیوں ہے؟ جبکہ خداوند تعالیٰ کے متعلق تو کہا گیا ہے کہ وہ ابتری کا نہیں، امن کا بانی ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا دیا ہوا الہام صراط المستقیم کا تعیّن اور منزلِ مقصود کی نشاندہی نہ کرے۔ اگر وہ سورج کو ازل سے مشرق میں طلوع کر رہا ہے اور اس کی کوئی متضاد سمت نہیں بنائی ـــــ قطبی ستارے کو شمال میں ٹھہرایا ہوا ہے اور اسے چکر دے کر جنوب میں نہیں لے آیا تو پھر یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اپنے کلام میں متضاد باتیں نہیں بتا سکتا ہے، کیونکہ وہ اصُول کا خدا ہے۔ لہٰذا اس کے اصول کے پیشِ نظر ہمیں اس بات کا محاسبہ کرنا ہوگا کہ وہ کلام جو ہم نے اُس سے منسوب کر رکھا ہے کہیں اس میں انسانی عقل اور تحقیق کا دخل تو نہیں، اور یہ ابھی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اندھا دھند تقلید سے قدم روک لیں، اور اپنے دلوں میں مدفون جہالت کے مُردوں کو اکھاڑ پھینکیں، اور اپنی آنکھوں سے تعصّب کی عینک اتار دیں۔ کیونکہ تعصّب ـــــ بیوقوفوں کی وراثت اور کند ذہنوں کا اثاثہ ہے۔ اگر ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہمیں عقلِ سلیم سے نوازا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس نایاب خزانے کو سب سے پہلے اُس کی پہچان میں صرف کریں اور اگر ہم نے سچ مچ اس کو پہچان لیا تو یقین جانیئے، دنیا کی تمام عزت اور دولت ہمارے قدموں میں ہوگی۔ کیونکہ مسیحؑ نے ببانگِ دہل اس بات کا اعلان کیا تھا کہ: "تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔" (متی ۶: ۳۳)

لیکن خدا کی بادشاہی اور راست بازی کی تلاش اُس وقت تک کرنا ناممکن ہے جب تک کہ ہم اُن قواعد وضوابط سے واقف نہ ہوں ۔ جن سے اُس کی پاک مرضی پوری کی جا سکتی ہے ۔ جیسے اِرینیس کا قول ہے کہ :

"خداوند نے ہمیں سکھایا کہ انسان خدا کو نہیں جان سکتا جب تک خود خدا انسان کو اپنی پہچان نہ بخشے"۔

یعنی خدا کی مدد کے بغیر خدا کو جاننا ناممکن ہے ــــ اور خدا کی وہ مدد جس سے ہم اُس کو جانتے ہیں الہام ہے ۔

اِلہام

ـــــــ الہام سے خدا کی وہ خاص اور فوق الفطرت مدد مراد ہے جس سے خدا ایک مصنف کو تحریک دیتا ۔ منور کرتا ــ اور امداد دیتا ہے ۔ تاکہ جو کچھ خدا سکھانے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ صرف وہی سوچے ۔ وفاداری سے لکھے اور لاخطا صداقت کے ساتھ بیان کرے

ـــــــ (مجابات ص۱)

قدیم کلیسیا کی ترتیب دی ہوئی الہام کی اس تعریف سے جو ضابطہ قائم ہوتا ہے اُس سے ذہن میں یہ سوال اُبھرتے ہیں :

(۱) کہ خدا ہمیں کیا سکھانے کا ارادہ رکھتا ہے ؟

(۲) کیا یہ سوچ وہی ہے ؟

(۳) کیا یہ ارادہ وفاداری سے لکھا گیا ہے ؟

(۴) کیا یہ لاخطا صداقت سے بیان کیا گیا ہے ؟

اور ان ہی سوالات کے تحت ہمیں ان کتابوں کی جانچ پڑتال کا حق پہنچتا ہے جن کو ہم الہامی کہتے ہیں — اور آج کا موضوع کتاب مقدس یعنی بائبل ہے۔ جس کے متعلق ابتدا ہی سے کلیسیا کا ایمان ہے کہ نئے اور پرانے عہد نامے پر مشتمل یہ کتاب رُوح القدس کے الہام اور اس کی خاص مدد سے لکھی گئی ہے۔

کتاب مُقدّس

کتاب مقدس — جو کہ بدنصیبی سے اس وقت دو مختلف جلدوں میں ہمارے پاس موجود ہے۔ ان میں سے ایک بہتر (۷۲) اور دُوسری چھیاسٹھ (۶۶) کتابوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق میں علمائے دین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک جلد میں جو چھ کتابیں زائد ہیں۔ کیا خدا اُن کو سکھانے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں؟ کیا یہ وہی سوچ ہے جو خدا اپنے بندوں کے وسیلہ سے پہنچانا چاہتا ہے؟ کیا یہ وفاداری سے لکھی گئی ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ کلام لاخطا صداقت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا؟

مندرجہ بالا سوالات کی روشنی میں الہام کی تعریف کا پہلا جزو: "کہ خدا جو کچھ سکھانے کا ارادہ رکھتا ہے" — بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی جگہ ہمارے ارادے کو فوقیت ملتی ہے کہ ہم خدا کے متعلق کیا سیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اگر آستر کی کتاب کو الہام میں شامل کیا جا سکتا ہے تو پھر یہودتھ کی کتاب بھی الہامی ہے۔ اگر امثال کی کتاب

خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی سوچ ہے تو پھر یشوع بن سیراخ سے بھی انکار ناممکن ہے، اور یہ بے انصافی یقیناً آپ کے ذہن کو جھنجھوڑ کر بیدار کردے گی کہ آپ اس بات کی تحقیق کریں کہ کتاب مقدس میں خدا کے ارادے۔ اور انسانی سوچ کا کیا تناسب ہے۔ کیونکہ جہاں تک خداوند تعالےٰ کا تعلق ہے اُس کی کاریگری اس بات کی شاہد ہے کہ وہ ترتیب اور ضابطہ کو پسند فرماتا ہے۔ اس نے نظام کائنات میں ایک تسلسل قائم کیا ہُوا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ اس کا دیا ہوا الہام یا سوچ ایک زنجیر کی طرح آپس میں باہم ملی ہوئی ہوں۔ جبکہ کتاب مقدس میں اس کا فقدان ہے۔ اپنی تسلی کے لئے آپ یہوداہ کا عام خط پہلا باب آیت ۱۴-۱۵ کا مطالعہ کریں تو یوں لکھا ہے:

"ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدم سے
ساتویں پُشت میں تھا یہ پیشینگوئی کی تھی کہ
دیکھو خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا
تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب
بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں
کے سبب سے جو انہوں نے بے دینی سے کئے
ہیں اور ان سب سخت باتوں کے سبب سے جو
بے دین گنہ گاروں نے اس کی مخالفت میں کہی
ہیں قصور وار ٹھہرائے۔"

اِس اقتباس کے متعلق میں پُوچھ سکتا ہوں کہ یہوداہ نے یہ کہاں سے لیا ہے؛ کیونکہ کتاب مقدس میں جہاں حنوک کا ذکر ہے وہاں پر اس کی تعلیمات کا کوئی تذکرہ نہیں؛ بلکہ صرف نسب نامے کا ایک رُکن سمجھ

کر بیان کو آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن یہوداہ کا اقتباس اس سے بھی منکر نہیں ہونے دیتا کہ کوئی کتاب ایسی ضرور تھی جس سے یہ تحریر ماخوذ ہے۔

(۱) کیا وہ کتاب الہامی نہیں کہی جا سکتی ؟

(۲) کیا حنوک سلسلۂ انبیاء کی ایک کڑی نہ تھا ؟

پیدائش کی کتاب کے مصنف کو اس عظمت کا تو اعتراف ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اُسے اُٹھا لیا۔ لیکن اس کی پیشینگوئی کو احاطۂ تحریر میں لانے سے چشم پوشی کی ہے۔ ایسے حالات میں علمائے دین کے اس فارمولے کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ نئے عہدنامہ کا پورا مطلب سمجھنے اور اس سے پُورا فائدہ اٹھانے کے لیئے پرانے عہدنامے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اگر رسُولی دَور میں یہی کتابیں فہرست مسلمہ میں داخل تھیں جو ہمارے پاس کتاب مقدس کی صورت میں ہیں تو وہ آیات کہاں کھو گئی ہیں جو بطور اقتباس عہد جدید میں شامل ہیں۔ لہٰذا ایسی دھاندلی میں خدائے بزرگ و برتر کی ذات کو شامل کرنا، اس کی لامحدود عقل کی توہین کرنا ہے۔

آیئے! ترتیب وار کتاب مقدس کا مطالعہ کریں اور اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کی کوشش کریں کہ بائبل میں کہاں تک الہام مندرج ہے، اور کہاں تک انسانی عقل کا عمل دخل موجود ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق شروع ہی سے علما مختلف الرائے ہیں۔ ایک گروہ بائبل کی تمام تر تحریر کو الہام مانتا ہے جبکہ دوسرا بائبل کی تحریر میں الہام کی موجودگی کا قائل ہے ان میں سے کونسا نظریہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے — اس کا تجزیہ اس دَور کی ایک اہم ضرورت ہے۔

پیدائش

مسیحی علمائے دین اور محققین کے نزدیک پیدائش کی کتاب کا مصنف موسیٰ ہے لیکن وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں کہ نبی کا کام قوموں کی تاریخ مرتب کرنا نہیں ہوتا، بلکہ انہیں نور و ہدایت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں ایسے واقعات مندرج ہیں جو موسیٰ سے بہت پہلے وقوع پذیر ہوئے اور اُن میں سے اکثر خاندانی یادداشتوں اور تحریروں کی شکل میں موجود تھے۔ جو باپ سے بیٹے کو وراثت میں پُشت در پُشت ملے۔ کیونکہ قدیم زمانے میں قومیں اپنی تحریروں اور یادداشتوں کو بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا کرتی تھیں اور گمان غالب ہے کہ بزرگانِ اسرائیل کی داستان یعقوب اور اُس کے بیٹوں کی وساطت سے پہنچی ہوگی، اور یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اسی سبب سے ابراہام اور یعقوب کی زندگی کے حالات تفصیل سے لکھے گئے تھے۔

پیدائش کی کتاب کے ابتدائی ابواب میں بابل کے اثر کے نشانات پائے جاتے ہیں اور ادبی مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شاید انہیں دوسری زبانوں سے ترجمہ کیا گیا ہو۔ تمام کتاب میں مصری اثر عیاں ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب بنی اسرائیل کے مصری دور کی ترتیب و تالیف ہو۔ الغرض پیدائش کی کتاب کے بارے میں یہ کہنا موزوں ہوگا کہ اس کی ترتیب میں اُن قدیم دستاویزوں کو استعمال کیا گیا ہے جو اُن آدمیوں کی لکھی ہوئی تھیں جنہوں نے تمام واقعات کو اپنی

آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا تھا ۔ بعض واقعات کے لئے صرف حق ادا کیا گیا اور قدیم کتابوں کو اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے آسان اور سلیس زبان میں لکھ دیا۔

اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ تاریخ کے اوراق کو من جانب اللہ کہنا کسقدر غیر موزوں ہے ۔ ہماری کتب مقدسہ پر یہ تحقیق اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ واقعات رُوح القدس کی تحریک نہیں بلکہ انسانی فہم کی جستجو اور یادداشتوں کا مجموعہ ہے ۔

طرزِ تحریر

پیدائش کی کتاب کا آغاز تخلیقِ کائنات کے بیان سے ہوتا ہے لیکن اس کا اندازِ بیان ادبی اور تحقیقی اعتبار سے بڑا ناگوار گزرتا ہے ۔ یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے مصنف نے دورانِ تحریر جن ماخذوں سے استفادہ حاصل کیا ہے ، ان میں تسلسل قائم کرنے کی سعی نہیں فرمائی بلکہ من وعن تحریر کرتا گیا ہے ۔

مثال کے طور پر پہلے باب کی آیت ۹ میں زمین کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے وہ جڑی بوٹیوں ۔ گھاس اور پھلدار درختوں کا تذکرہ کرتا ہے جبکہ زمین کی تخلیق کے بعد اس کی ابتدائی حالت جو کہ پیدائش باب ۲ آیت ۵ میں مرقوم ہے احاطہ تحریر میں لانا حقیقی تسلسل قائم کرتا ہے ۔ جہاں لکھا ہے کہ زمین پر اب تک کھیت کا کوئی پودا نہ تھا اور نہ میدان کی سبزی اب تک اُگی تھی ، اور اس کے بعد پیدائش باب (۱) آیت (۱۱) کا بیان شروع کیا جانا چاہیئے تھا ۔ اس طریق پر ـــــ ادبی اور علمی لحاظ سے عبارت خوبصورت

بھی ہوتی ہے اور پڑھنے والے کے لئے فائدہ بخش بھی، اور پڑھنے والا فوراً زمین کے تمام مراحل سے واقف ہو جاتا۔ اسی طرح انسان کے متعلق بھی، جو اس داستان کا مرکزی کردار ہے۔ واقعات کو آگے پیچھے کر کے ادبی چاشنی کو ختم کر دیا ہے اور ترجمے کی اس رُوح کو ختم کر دیا ہے جس سے اہلِ زبان اور ترجمہ شدہ کتاب پڑھنے والے ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ اس دُشواری کے پیشِ نظر ہیں قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس داستانِ ابتدائیہ کا ادبی لحاظ سے ایک ایسا تسلسل قائم کروں، جس سے نفسِ مضمون بالترتیب اور عیاں طور پر ہمارے سامنے آجائے، اور ہم بغیر کسی اُلجھن کے کتاب کا مطالعہ پوری روانی اور سمجھ کے ساتھ کر سکیں

ترتیب

خدا کی رُوح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جا۔ اور روشنی ہو گئی اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا، اور خدا نے روشنی کو دن کہا اور تاریکی کو رات، اور صُبح ہوئی، اور شام ہوئی۔ سو پہلا دن ہوا۔

۲ اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے درمیان فضا ہو تاکہ پانی پانی سے جُدا ہو جائے پس خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانی کو فضا کے اُوپر کے پانی سے جُدا کیا اور ایسا ہی ہوا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، اور شام ہوئی اور صبح ہوئی، سو دُوسرا دن ہوا۔

۳۔ اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ جمع ہو کر خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوا، اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جو پانی جمع ہو گیا تھا

اس کو سمندر، اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے۔

زمین ویران اور سنسان تھی اور زمین پر اب تک کھیت کا کوئی پودا نہ تھا اور نہ میدان کی کوئی سبزی اب تک اُگی تھی، کیونکہ خداوند خدا نے زمین پر پانی نہیں برسایا تھا اور نہ زمین جوتنے کو کوئی انسان تھا۔ بلکہ زمین سے کہر اٹھتی تھی اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتی تھی۔

اور خدا نے کہا کہ زمین گھاس اور بیج دار بوٹیوں کو اور پھل دار درختوں کو جو اپنی اپنی جنس کے مطابق پھلیں اور جو زمین پر اپنے آپ ہی میں بیج رکھیں اگائے اور ایسا ہی ہوا۔

تب زمین نے گھاس اور بوٹیوں کو جو اپنی اپنی جنس کے موافق بیج رکھیں اور پھل دار درختوں کو جن کے بیج ان کی جنس کے موافق ان میں ہیں، اُگایا اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو تیسرا دن ہوا۔

۴۔ اور خدا نے کہا کہ فلک پر نیّر ہوں کہ دن کو رات سے الگ کریں اور وہ نشانوں۔ زمانوں۔ دنوں اور برسوں کے امتیاز کے لئے ہوں، اور وہ فلک پر انوار کے لئے ہوں کہ زمین پر روشنی ڈالیں: اور ایسا ہی ہوا۔ سو خدا نے دو بڑے نیّر بنائے۔ ایک نیّر اکبر کہ دن پر حکم کرے، اور ایک نیّر اصغر کہ رات پر حکم کرے، اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔ اور خدا نے ان کو فلک پر رکھا کہ زمین پر روشنی ڈالیں اور دن پر اور رات پر حکم کریں اور اُجالے کو اندھیرے سے جُدا کریں' اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو چوتھا دن ہوا۔

۵۔ اور خدا نے کہا کہ پانی جانداروں کو کثرت سے پیدا کرے اور پرندے زمین کے اُوپر فضا میں اُڑیں، اور خدا نے بڑے بڑے دریائی جانوروں کو

اور ہر قسم کے جان دار کو جو پانی سے بکثرت پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی جنس کے موافق اور ہر قسم کے پرندوں کو اُن کی جنس کے موافق پیدا کیا۔ اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے۔ اور خدا نے اُن کو یہ کہہ کر برکت دی کہ پھلو۔ بڑھو اور ان سمندروں کے پانی کو بھر دو اور پرندے زمین پر بہت بڑھ جائیں اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو پانچواں دن ہوا۔

۶۔ اور خدا نے کہا کہ زمین جانداروں کو اُن کی جنس کے موافق چوپائے اور رینگنے والے جاندار اور جنگلی جانور اُن کی جنس کے موافق پیدا کرے اور ایسا ہی ہوا، اور خدا نے جنگلی جانوروں اور چوپایوں کو اُن کی جنس کے موافق بنایا، اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے۔

پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں اور وہ سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں، اختیار رکھیں اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا۔ اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ نر و ناری اُن کو پیدا کیا، اور خدا نے ان کو برکت دی، اور کہا کہ پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور و محکوم کرو، اور سمندر کی مچھلیوں اور ہوا کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں، اختیار رکھو۔ اور خدا نے کہا کہ دیکھو میں نے تمام روئے زمین پر کل بیج دار سبزی اور ہر درخت جس میں اُسکا بیج دار پھل ہو تم کو دیتا ہوں۔ یہ تمہارے کھانے کو ہوں۔ اور زمین کے کل جانوروں کے لئے اور ہوا کے کل پرندوں کے لئے اور ان سب کے لئے جو زمین پر رینگنے والے ہیں۔ جن میں زندگی کا دم ہے۔ کل ہری بوٹیاں کھانے کو دیں

ہوں۔ اور ایسا ہی ہوا، اور خدا نے سب پر جو اُس نے بنایا تھا نظر کی اور دیکھا کہ بہت اچھا ہے اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو چھٹا دن ہوا۔ سو آسمان اور زمین اور اُن کے لئے کل لشکر کا بنانا ختم ہوا۔ اور خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرتا تھا، ساتویں دن ختم کیا، اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا فارغ ہوا، اور خدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھہرایا۔ کیونکہ خدا نے ساری کائنات سے جسے اُس نے پیدا کیا اور بنایا، فارغ ہوا۔

دِن

بائیبل کے الفاظ:

"اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو پہلا دِن ہوا"

کے متعلق اکثر اوقات ہم الجھ جاتے ہیں اور اس سے نظامِ شمسی کا چوبیس گھنٹے کا دِن تصور کرتے ہیں جبکہ علمائے دین اور محققین کا کہنا ہے۔ کہ ضرورت نہیں کہ لفظ دِن کے لفظی معنی لئے جائیں۔ عبرانی ادب میں بھی یہ لفظ ہمیشہ اُن معنوں میں نہیں آتا۔ جن میں ہم اسے سمجھتے ہیں بلکہ دِن سے مراد زمانے کے دَور ہیں تاہم ہر حالت میں یہ دن بالترتیب ترقی کو ظاہر کرتے ہیں۔

پہلا دِن

ہم نے بابِ تخلیق کو مرتب کرتے وقت روشنی کو خداوند تعالےٰ کی پہلی کاریگری کہا ہے۔ جس کی تصدیق آئین سٹائن کے نظریۂ اضافیت سے

سے بھی ہوتی ہے لیکن یہاں پر ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے۔

کہ یہ روشنی کیا تھی ؟

اس کا ماخذ کیا تھا ؟

کیونکہ جہاں تک زمین پر روشنی ڈالنے کا تعلق ہے۔ اسکا وجود تخلیق کے چوتھے دور میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس میں چاند۔ سُورج اور ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے اور قدیم الایام سے یہی مواخذ منبعٔ انوار تسلیم کئے جا رہے ہیں لیکن پہلے دن جس روشنی کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے وہ انسانی ذہن کو کشمکش میں مبتلا کر دیتی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک اس روشنی سے مراد خداوند تعالیٰ کا جلال ہے لیکن اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اُس کی ازلی جلالی ہستی مشکوک ہو جاتی ہے لہٰذا یہ روشنی جس کے متعلق اُس نے فرمایا کہ روشنی ہو جا، اور روشنی ہو گئی یقیناً ایک دوسرا وجود ہے۔ جس کو اُس نے دیکھا اور کہا کہ اچھی ہے۔

پیدائش کی کتاب میں جس تخلیق کے خلق ہونے پر مصنف نے حقیقت کو واضح نہیں کیا' وہ فرشتوں کی ذات ہے اور گمان غالب ہے کہ اس روشنی سے اس کی مراد تشبیہی طور پر فرشتے ہی ہوں کیونکہ حقائق اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی اولین مخلوق فرشتے ہی تھے اور جہاں کہیں بھی فرشتے کا ذکر آیا ہے۔ اس کی ماہیت نور ہی بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ موسیٰ کو جھاڑی جلتی ہوئی تو نظر آئی لیکن وہ بھسم نہیں ہوتی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف روشنی تھی۔

فرشتے کو روشنی کہنے سے یقیناً ذہن اس تاریکی کیطرف چلا جاتا ہے جسکو روشنی سے الگ کیا گیا، اور اس کے لئے لوسیفر کی بغاوت کا

قصہ حقیقتِ مضمون کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ جس نے مقرب فرشتہ ہونے کی صورت میں گھمنڈ کیا، اور خداوند تعالےٰ نے اس کو معہ اُس کے ساتھیوں کے منفی خواہشات کے اندھیروں میں دھکیل دیا اور اس طرح اُس نے اچھے فرشتوں کو دن یعنی روشنی اور بُروں کو رات یعنی تاریکی کہا۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اسلامی علمِ الٰہیات میں غالباً ان ہی دو گروہوں کو نوری مخلوق یعنی اچھے اور فرماں بردار فرشتے اور ناری مخلوق یعنی آگ والے بمعنی جہنمی کہا گیا ہے۔

دُوسرا دِن

یہ امر لازم ہے کہ اختلافات کا ردِ عمل علیحدگی ہو اور ابتدا میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ خداوند تعالےٰ کی رُوح پانیوں کی سطح پر جُنبش کرتی تھی پس یہ بھی لازم ہے کہ اس وسعتِ بے کراں پر اس کی مخلوق فرشتے بھی اس کے ساتھ تھے۔ لیکن فرشتوں کا دو طبقات میں تقسیم ہونا ایک ایسی حقیقت تھی جس کو حق تعالےٰ کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کیونکہ لوسیفر کی حکمتِ عملی کسی وقت بھی پاؤں پسار کر اچھے فرشتوں کو جہنمی بنا سکتی تھی۔ لہذا اُس نے فضا کو قائم کیا اور پانی کو پانی سے جُدا کر دیا، اور فضا کو آسمان یعنی بلندی کا نام دیا اور خود بھی اپنی بلند و بالا حیثیت کی وجہ سے بلندیوں پر رہے، اور وہ اچھے فرشتے بھی اُس کے ساتھ ہیں جیسا کہ آج کے ہر مذہب کے عقیدہ سے عیاں ہے۔

تیسرا دن

سلسلۂ تخلیق کا تیسرا دَور بائیبل کے مطابق زمین۔ سمندر۔ نباتات اور پھل دار درختوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور اعتقادِ عامہ پر اس کا علم بذریعہ مکاشفہ یا الہام مسلط کیا گیا ہے جبکہ قدرت کے مظاہر انسان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل ہی موجود تھے، اور ان کی یہ تفصیل کئی صدیوں کے بعد احاطۂ تحریر میں آئی جو کہ آج ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ بذریعہ الہام یا مکاشفہ مصنف پر عیاں کی گئی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قدیم لوگ ان مظاہر سے بالکل بے بہرہ تھے جو کہ ناممکن ہے کیونکہ انسانی نیچر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ جب بھی کسی چیز کو دیکھتی ہے، اس کی تہہ میں جانے کی کوشش کرتی ہے۔

اگر مندرجہ بالا مظاہر کے اندر چھپے ہوئے لاتعداد خزانے، جو کہ انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ منظرِ عام پر آرہے ہیں، اس کتاب پر درج ہوتے تو ہم بلامبالغہ ایمان لے آتے کہ یہ الہام ہے۔ اگر آج کا مؤرخ جو قدیم کے بادشاہوں۔ ثقافت یا تمدن پر کوئی کتاب مرتب کرنا چاہے تو ہم کبھی بھی اس کو الہامی ماننے پر تیار نہیں ہوں گے بلکہ اپنے فیصلہ میں اس کا باریک بین ہونا ثابت کرینگے، جس نے یہ کتاب ترتیب دی ہوگی۔ کیونکہ اس نے گذشتہ واقعات کو روایات کی زبان سے پڑھا ہے، اور روایات الہام نہیں بلکہ چشم دید واقعات پر مبنی ہوتی ہیں جو کہ سینہ بسینہ یا تحریر نسل در نسل انسانی معاشرے میں پھیلتی جاتی ہیں

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان روایات کا تاریخی ثبوت فراہم کرنا دشوار ہوجاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہمارا دل اور دماغ اُسے قبول کرنے سے گریز نہیں کرتا، اِس لئے یہ کہنا کہ یہ واقعات مصنف پر بذریعہ رویا نازل ہوئے تھے قرینِ قیاس دکھائی نہیں دیتا جبکہ ایسے واقعات اس سے قبل بابلی عقائد میں بھی موجود تھے، اور ہو سکتا ہے کہ مصنّف نے قدیم دستاویزوں سے متذکرہ بالا مظاہر کے متعلق تحریر شدہ مواد کو ترجمہ کر کے اس قوم کو دیا ہو جو اپنے اصل کی سوچ و تحقیق میں سرگرداں ہو یا اُن سے انحراف کر گئی ہو۔

لہذا میں علمائے دین سے گزارش کروں گا کہ وہ اس تحریر پر الہام کا خوف مسلط کر کے محقق ذہنوں کو منجمد کرنے کی کوشش نہ کریں جو علمِ طبقات الارض کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر نت نئے تجربے ہمارے سامنے لا رہے ہیں۔ بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ ہم اِن گم گشتہ روایات میں سے حقیقتوں کو تلاش کر سکیں۔

چوتھا دن

یہ تخلیق انوار کا دَور ہے۔ جس میں حق تعالٰی نے دو نیّر بنائے، اور اُن کو فلک پر رکھا۔ ایک نیّر اکبر جو کہ دن پر حکمرانی کرے۔ اور دُوسرا نیّر اصغر، کہ رات پر حکمرانی کرے، اور اس کے علاوہ ستارے بھی بنائے۔ روشنی کے علاوہ اُن کا مقصد نشانوں۔ زمانوں۔ دنوں اور برسوں کا امتیاز بھی ہے۔ لیکن عبارت کے طرزِ تحریر سے دونوں کی

حیثیت جداگانہ معلوم ہوتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنی اپنی جگہ آزاد ہیں۔ جبکہ حقائق اس کے سراسر خلاف ہیں کیونکہ نیرِ اصغر جس سے مصنف کی مراد چاند ہے۔ اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ روشنی کے لئے سورج کا مرہونِ منت اور اس کو رات کے وقت زمین تک پہنچانے کا ایک درمیانی وسیلہ ہے۔

بیسویں صدی کی ترقی میں سب سے اہم کارنامہ جو رونما ہوا ہے۔ وہ انسان کی چاند میں رسائی ہے اور ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند سے زمین ایک روشن سیارہ نظر آتی ہے اور چاند ایک ایسی بے آب و گیاہ سرزمین ہے۔ جس میں جا بجا کھڈیں اور پہاڑیاں ہیں۔ لیکن مصنف کے نزدیک یہ ایک روشنی کا گولہ ہے۔

اپنی جگہ وہ بھی حق بجانب ہے کیونکہ اُس دَور میں چاند اور سورج کا تصوّر ایک روشنی کے گولے کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ اگر مصنف کو یہ تخلیقی کارنامہ بذریعہ الہام یا مکاشفہ سمجھایا گیا ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ چاند اور سُورج کی اصلی ماہیت سے بھی آگاہ کرتا۔ چونکہ کوئی سماوی تحریک پسِ پشت نہ تھی۔ اس لئے واقعات کے تانے بانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رائج الوقت روایت کو ہی قلمبند کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

پانچواں دِن

اس دَور میں دریائی جانوروں اور ہر قسم کے پرندوں کی تخلیق کا ذکر ہے اور اس عبارت کو پڑھنے کے بعد محققین دعوٰے سے کہتے ہیں کہ تخلیق

کائنات کے پہلے مسلسل بیان میں جو یہاں آکر ختم ہوتا ہے۔ مصری رنگ نمایاں ہے۔ گویا کہ یہ داستان مصری روایات سے اخذ کی گئی ہے۔

چھٹا دِن

یہ دَور بابِ تخلیق کا بہت اہم دَور ہے۔ اس کا پہلا حصہ چوپاؤں۔ رینگنے والے جانداروں اور جنگلی جانوروں کے متعلق ہے۔ جبکہ دُوسرے حصہ میں تخلیقِ انسان کا دَور ہے۔ جیسے لکھا ہے کہ خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہہ کی مانند بنائیں اور اس شبیہہ سے مراد جسمِ انسانی نہیں بلکہ وہ صفاتِ کاملہ ہیں جو انسان کو بطور فضیلت اللہ تعالےٰ نے ودیعت کی ہیں جیسے لکھا ہے کہ "سمندر کی مچھلیاں اور ہَوا کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں اختیار رکھو" لہٰذا ان کو قبضۂ اختیار میں رکھنے کے لئے اُن میں اعلیٰ صفات کا ہونا لازمی تھا۔ ورنہ جہاں تک مادی اجسام کا تعلق ہے ان میں انسان اور حیوان میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ جانور بھی گرمی، سردی اور خوراک کی خواہش محسوس کرتا ہے اور اپنی نسل کی افزائش بھی کرتا ہے، بلکہ ماہرینِ نفسیات تو دماغی طور بھی انسان کو بعض ایک حیوانوں کے قریب سمجھتے ہیں جیسا کہ وہ بندروں اور چوہوں پر تجربات سے ثابت کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود جانور ترقی کی منازل کیطرف اس طرح سے نہیں بڑھتے جس طرح کہ انسان بڑھتا جا رہا ہے اور انسان کی اس برتری کو حامیانِ مذاہب اور معتقدین اس روح کا کرشمہ سمجھتے ہیں جو کہ انسان کے اندر ایک

فوق الفطرت حیثیت سے جاگزیں ہے ۔

رُوح

انسان کا طریقہ تخلیق بائبل میں یوں لکھا ہے :

" اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اُسکے نتھنوں میں زندگی کا دم پھُونکا تو انسان جیتی جان ہوُا "

جبکہ جانداروں کے متعلق بھی لکھا ہے : کہ

" اور خدا نے کہا کہ زمین جانداروں کو اُن کی جنس کے موافق ، چوپائے اور رینگنے والے جاندار اور جنگلی جانور اُن کی جنس کے موافق پیدا کرے اور ایسا ہی ہوُا "

گویا کہ جانداروں اور انسان دونوں کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا ہے اور اس لحاظ سے انسان کو حیوان پر کوئی فوقیت نہیں ملتی ۔ زندگی کے دم کو رُوح قرار دیتے وقت اکثر لوگ جانداروں کے متعلق پڑھتے وقت اُن الفاظ کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو بائبل کی اس کتاب میں یوں مرقوم ہیں ۔

" اور ان سب کے لئے جو زمین پر رینگنے والے ہیں ۔ جن میں زندگی کا دم ہے کل ہری بوٹیاں کھانے کو دیتا ہوں اور ایسا ہی ہوا "

گویا کہ باب تخلیق کا مصنف زندگی کے دم کو کوئی فوق الفطرت شے ثابت نہیں کرتا اور اس سلسلہ میں انسان اور حیوان کے درمیان کوئی اختلاف الرائے قائم نہیں کرتا اور بائیبل کا الہام زندگی کے دم کی دو

مختلف تشریحات کرنے سے قاصر ہے۔ اسی الہام کو ذرا وعظ کی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں: لکھا ہے:

"میں نے دل میں کہا کہ یہ بنی آدم کے لئے ہے کہ خدا اُن کو جانچے اور وہ سمجھ لیں کہ ہم خود حیوان ہیں کیونکہ جو کچھ بنی آدم پر گزرتا ہے وہی حیوان پر گزرتا ہے۔ ایک ہی حادثہ دونوں پر گزرتا ہے۔ جسطرح یہ مرتا ہے اسی طرح وُہ مرتا ہے۔ ہاں سب میں ایک ہی سانس ہے اور انسان کو حیوان پر کچھ فوقیت نہیں کیونکہ سب بطلان ہے۔ سب کے سب ایک جگہ جاتے ہیں۔ سب کے سب خاک سے ہیں اور سب کے سب پھر خاک سے جا ملتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ انسان کی رُوح اوپر چڑھتی اور حیوان کی رُوح زمین کی طرف نیچے کو جاتی ہے؟"

یہاں پر بائبل کا الہام ڈارون کے نظریہ کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے — اب خدا ہی جانے کہ واعظ کے مصنف اور ڈارون میں سے کون رُوح القدس کی تحریک سے سوچتا اور لکھتا تھا۔

ہم اپنے مکتبۂ فکر کے لحاظ سے جس کو رُوح کہتے ہیں۔ عہدِ عتیق میں اس کے لئے عبرانی لفظ (نیفش) استعمال کیا گیا ہے اور جب ان کتابوں کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا تو اُن تمام الفاظ کے لئے جو کہ تعداد میں تقریباً سات صد پچاس ہیں۔ لفظ (سائیکیے) استعمال ہوا، اور عہدِ جدید میں یہ لفظ ایک صد دو ۱۰۲ دفعہ استعمال ہوا۔ گویا کہ سیپٹوجنٹ مسودے میں یہ لفظ آٹھ صد باون ۸۵۲ دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔

ہم لوگ جو رُوح کو ایک علیحدہ اور فوق الفطرت جز تسلیم کرتے ہیں ہمارے لیئے پیدائش ۲:۷ کی تحریر یقیناً قابلِ غور ہوگی۔ جہاں پر جانداروں کے لیئے عبرانی کا وہی لفظ (نیفش) استعمال ہُوا ہے جو کہ انسان کے لیئے ہُوا ہے۔ مثال کے طور پر :

"اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا اور انسان جیتی جان ہوا"

میں جیتی جان کے لیئے (نیفش) ہی استعمال ہُوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل اس عقیدے کی تائید نہیں کرتی کہ انسان کے اندر کوئی نادیدنی قسم کی شئے ہے بلکہ "تمہاری روح تم ہی ہو" کی حمایت کرتی ہے۔ جبکہ بابلی اور یُونانی بُت پرست روح کو ایک علیحدہ جسم لطیف ، اور لافانی مانتے تھے۔ لیکن اسکے برعکس بائبل جہاں انسانی جسم کی ہلاکت یا موت کا ذکر کرتی ہے اس کے لیئے بھی متذکرہ بالا لفظ ہی زیرِ تحریر آیا ہے ــــ

نسلِ انسانی

نسلِ انسانی کا آغاز ہر مکتبہ فکر کے زاویہ نگاہ کے مطابق آدم ہے اور اس کے متعلق یہ رائے قائم کرنا کہ مصنف کو بذریعہ الہام اس آغاز کا علم ہوا تھا ، حقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس کتاب کی تصنیف سے قبل بابلی منظومات بھی اس داستانِ اول کی نشاندہی کرتی ہیں۔ پیدائش کی کتاب کے تیسرے باب کا "عدن" بابلی زبان کے لفظ "عیدِنو" کا ہم معنی ہے۔ جس سے مراد سطح مرتفع یا لق ودق میدان ہے اور

اس کا استعمال صحیفہ نوسپار (؟) میں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مصنف کو یہ رازِ سربستہ الہام کے ذریعہ حاصل ہوئے تو پھر بابلی منظومات کو بھی اس الہام میں شامل کرنا ضروری ہو جائے گا۔

(۲)

بائبل کے مصنف نے داستان تو بیان کر دی لیکن اس کے متن کو آگے چل کر ایک عجیب تذبذب میں ڈال دیا ہے جس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آدم ہی انسان اول اور خدا کی اس کاریگری کا شاہکار ہے جو کہ اس نے زمین کی مٹی سے تیار کیا۔

پڑھتے پڑھتے جب ہم اولادِ آدم تک آتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے دو بیٹوں کا ذکر ہے جن میں سے قائن بڑا اور ہابل اس سے چھوٹا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے قبل آدم کے کوئی اولاد نہ تھی جیسا کہ بائبل کے متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دونوں بھائیوں کا قربانی پر جھگڑا ہوتا ہے اور قائن ہابل کو قتل کر دیتا ہے۔ جب خداوند تعالیٰ قائن سے ناراض ہوتا ہے اور اس کو سزا دیتا ہے تو قائن خداوند تعالیٰ سے کہتا ہے:

"دیکھ آج تو نے مجھے روئے زمین سے نکال دیا ہے اور میں تیرے حضور سے روپوش ہو جاؤں گا اور زمین پر خانہ خراب اور آوارہ رہوں گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی مجھے پائے گا قتل کر ڈالیگا۔ تب خداوند نے اس سے کہا نہیں بلکہ جو قائن کو قتل کرے گا اس سے سات گنا بدلہ لیا جائے گا۔ اور خداوند نے قائن کیلئے نشان ٹھہرایا کہ کوئی اسے پاکر مار نہ ڈالے۔"

مندرجہ بالا عبارت کے بعد ذہن میں لا محالہ مندرجہ ذیل سوالات اُبھر آتے ہیں :

۱۔ قائن کن سے گھبراتا تھا کہ اُسے قتل نہ کر دیں ؟

۲۔ وہ کون تھے جن سے خداوند سات گنا بدلہ لے سکتا تھا ؟

۳۔ جو نشان ٹھہرایا گیا وہ کن کی عقل کے مطابق تھا ، جو اس کو پہچان کر مارنے سے باز رہتے ؟

اور ان سوالات کا جواب یقیناً ایک ایسی مخلوق کی نشان دہی کرتا ہے جو قائن کی مانند باشعور ہوگی ، کیونکہ جہاں نشان ٹھہرانے کا تعلق پیدا ہوتا ہے وہاں پہچاننے والے کی بھی شخصیت سامنے آجاتی ہے ۔ جانور تو عقلِ سلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے ان نشانات کی پہچان نہیں کر سکتے جو نسلِ انسانی کے ساتھ منسلک ہوں ، اور جہاں تک بدلہ لینے کا تعلق ہے وہ بھی نسلِ انسانی کے ساتھ ہی وابستہ ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ بائبل میں جہاں کہیں بھی بدلہ لینے کی اصطلاح آئی ہے اسکا مطمعِ نظر جاندار ہوا کے پرندے یا فرشتے نہیں بلکہ نسلِ انسانی ہی ہے ۔ لہٰذا یہ حقائق ذہن کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم آدم اور حوّا سے قبل نسلِ انسانی کی موجودگی کو تسلیم کریں ۔

(۳)

باب تخلیق کے چھٹے دَور میں جہاں " اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا " اور پھر " خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا " لکھا ہے وہاں پر یہ دوسرا جملہ خدا جانے کس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب یہ کہا کہ اپنی صورت پر پیدا کیا تو بات ختم ہو جاتی ہے لیکن جب دوسرا جملہ سامنے آتا ہے تو خدا کے ساتھ ایک اور خدا کا اضافہ سا معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن ایسی

سے بڑھ کر — "نر و ناری کو پیدا کیا" — کا جملہ زیادہ پریشان کن ہے، اگر نر و ناری چھٹے دن میں ہی پیدا ہو گئے تھے تو ساتویں دن کا آرام - اور اس کے بعد حوا کی تخلیق اس دن کی تمام افادیت کو ضائع کر دیتی ہے کیونکہ یا تو خدا نے چھٹے دن نر و ناری پیدا نہیں کئے اور یا پھر ساتویں دن کے کافی عرصہ بعد حوّا کو آدم کی پسلی سے نہیں نکالا گیا — اور یہ دو متضاد نظریئے ہر ذی فہم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں -

اگر چھٹے دَور میں صرف آدم ہی تخلیق ہوا تو اس کے ساتھ ناری کا اضافہ چہ معنی دارد - اور اگر مصنف کو وضاحت کرنا ہی درکار تھا تو وہ اسی دن کے احاطۂ تحریر میں لا سکتا تھا - لیکن اس نے نر و ناری کی تخلیق کو زیرِ تحریر لا کر اس دَور کو بالکل ختم کر کے اور پھر ایک نیا آرام کا دور شروع کر کے اس جوڑے کی داستان کو پکڑا ہے - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نر و ناری کی تخلیق اور آدم و حوا کی داستان دو مختلف کہانیاں ہیں -

آدم

بائبل میں آدم کا ذکر کرتے وقت مصنف لکھتا ہے کہ خداوند نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور آدم کو وہاں پر رکھا کہ اس باغ کی نگہبانی اور باغبانی کرے - جس سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ آدم میں باغبانی کا وہ تمام شعور تھا جس میں درختوں کی کانٹ چھانٹ - نلائی اور دوسرے تمام کام ہوتے ہیں جو کہ ایک باغبان کے لئے ضروری ہیں اور علماء کی رائے میں بھی مہذب انسان کا آغاز آٹھ ہزار سے چھ ہزار قبل از مسیح کا ہے

جب کہ کاشت کاری کی ابتدا ہوئی ہوگی ۔ گویا کہ تہذیب انسانی کا آغاز کاشت کاری سے ہوتا ہے اور پہلا کاشت کار آدم تھا جیسا کہ بائبل کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے اور عہدہ باغبان پر فائز ہونے کی حیثیت سے وہ کاشتکاری کے تمام اصولوں سے واقف تھا۔

اگر ہم بائبل کی تحریر کے مطابق آدم کو ایک باغبان یعنی کہ تہذیب یافتہ دور کا ابتدائی انسان سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں قبل از تاریخ کا انسان جو غاروں میں رہتا تھا، اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ کیا وہ آدم سے قبل تھا؟ کیونکہ آدم کے بعد بائبل کسی غیر مہذب (غیر کاشتکار) نسل کا ذکر نہیں کرتی بلکہ آدم کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی مصنف ہابل کو بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن کو کسان بتاتا ہے ، اور آدم سے اگلی نسل خداوند تعالٰے کے حضور قربانیاں گزراننے کا بھی شعور رکھتی تھی ۔ قائن کا کسان ہونا ، اور پہلے پھلوں کا نذرانہ لانا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس نے یہ طریق اپنے والد محترم حضرت آدم سے سیکھا تھا جو کہ اس وقت تا حیات تھا۔ جب قائن نے اپنے بھائی ہابل کو قتل کیا۔

کاشتکاری کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس پیشے کے لئے لکڑی اور لوہے کے وہ اوزار بھی ضروری تھے جو کہ اس کام کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اگر آدم باغبانی کے فرائض سرانجام دیتا اور قائن کسان تھا تو وہ اس قدر با شعور بھی ضرور ہوں گے کہ وہ اشیا بنا سکیں جو ان کو اپنے کام کے لئے ضروری تھیں۔

علاوہ ازیں جب خداوند تعالٰے نے آدم کو شجر ممنوعہ کھانے پر لعنت دی تو اس سے کہا ۔ "مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اُس (زمین) کی

پیداوار کھائے گا۔ اب جہاں مشقت کا ذکر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ذہن میں مشقت کا ساز و سامان بھی فوراً گھوم جاتا ہے جو کہ ایک مہذب اور باشعور انسان کے ساتھ ہی وابستہ ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ قائن جب خداوند تعالیٰ کے حضور سے بھاگ کر جاتا ہے تو بائبل کے مطابق نود کے علاقہ میں پناہ گزین ہوتا ہے، جو کہ جغرافیائی طور پر عدن کے مشرق کی طرف ہے۔ لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے نود کے علاقہ میں اپنے لئے بیوی کہاں سے حاصل کی جب کہ بائبل میں قائن اور ہابل کے بعد سیت پیدا ہوتا ہے اور سیت کے بعد اور بیٹے بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر قائن اور ہابل کے بعد آدم کے ہاں کوئی اولاد ہوتی تو سیت کی پیدائش کے وقت حوا یہ نہ کہتی کہ:

"خدا نے ہابل کے عوض جس کو قائن نے قتل کیا
مجھے دوسرا فرزند دیا"

یعنی جب سیت پیدا ہوا تھا اُس وقت قائن بھرپور جوانی میں ہوگا۔ لہذا اس نے بیوی بھی نود کے علاقہ سے ہی حاصل کی ہوگی اور بائبل کی رُو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آدم سے قبل زمین پر ایک دوسری نسلِ انسانی کا وجود تھا۔

قبل از تاریخ کا غیر مہذب وحشی انسان اور اولادِ آدم کا موازنہ کرنے کے لئے ہم حنوک کی پیدائش کے وقت قائن کے شہر بسانے کے شعور کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، اور جہاں شہر بسائے جاتے ہیں وہاں مکانوں میں کھڑکیاں۔ دروازے۔ روشن دان بنانے کی بھی سمجھ ہوتی ہے۔ گلیاں بنائی جاتی ہیں۔ پانی کے نکاس کا بندوبست کیا

جاتا ہے اور حصولِ آب کے لئے کنوئیں۔ ڈول۔ گھڑے وغیرہ بھی استعمال میں ضرور آتے ہیں۔ اس سے اگلی نسل میں اولادِ آدم معاشرتی طور پر او بھی باشعور نظر آتی ہے جبکہ وہ ابتدائی اُصولوں کو چھوڑ کر دو بیویوں کے اُلجھاؤ میں اُلجھ جاتی ہے۔

عدن اور تمدّن

آدم نے جب شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا کر ارتکاب گناہ کیا تو خداوند تعالیٰ نے اُسے مشقّت سے روٹی کما کر کھانے کی سزا کے علاوہ عدن کی مخصوص سرزمین سے باہر نکال دیا۔ عدن کے متعلق ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ بابلی لفظ "عیڈنو" کا ہم معنی ہے جس کے معنی سطح مرتفع کے ہیں اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ آدم باغبانی کے فرائض سرانجام دینے کی رُو سے مہذب انسان دکھائی دیتا ہے۔ لہذا اس تہذیب یافتہ ہونے پر ہم سومری روایات کو بھی اس کی مضبوطی کے لئے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ روایت محض فلسفیانہ ہی نہیں رہی بلکہ موجودہ تحقیقِ آثارِ قدیمہ نے اس پر حقیقت کی مُہر ثبت کر دی ہے۔ اس روایت کے مطابق، سومری کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کسی پہاڑی مُلک سے آ کر مشرق میں آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے وہاں کے اصلی باشندوں پر تسلّط جمایا۔ وہ اپنے ہمراہ کھیتی باڑی کا پیشہ۔ دھات سے چیزیں بنانے کا ہنر اور فنِ تحریر بھی لائے تھے، اور یہ واقعہ غالباً اس وقت کا ہے جب خدا نے عدن (سطح مرتفع) سے آدم کو نکالا تھا۔ جیسا لکھا ہے کہ:

"خداوند خدا نے اس کو باغِ عدن سے باہر کر دیا تاکہ

وہ اُس زمین کو جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے"
چنانچہ اس نے آدم کو نکال دیا۔ اور باغِ عدن کی مشرقی طرف کروبیوں کو اور چوگرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کی راہ کی حفاظت کریں۔

بائبل کی آیات مندرجہ بالا سومری روایت کے عین مطابق ہیں۔ سومری بھی یہی کہتے تھے کہ عدن سے نکل کر ہمارے آباؤاجداد مشرق میں آباد ہوئے تھے جبکہ بائبل بھی مشرق میں کروبیوں کے پہرہ سے یہی ثابت کرتی ہے کہ ان کی ہجرت بطرف مشرق ہی ہوئی تھی۔ خدا جانے دیگر مکاتیب فکر کے لوگ اس کو کس انداز سے لیتے ہیں لیکن جہاں تک بائبل کی تحریر کا تجزیہ درکار ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم سے قبل بھی نسل انسانی تھی۔ یہ نظریہ بائبل میں حقیقت پر مبنی ہے یا کسی دوسرے مکتبۂ فکر سے آ گھسا ہے۔ اس کے متعلق خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آج کا دور تو صرف تحریروں پر ایمان لانے اور ان کو سمجھنے پر ہی اکتفا کر رہا ہے۔

طوفان

اس سے پہلے کہ ہم طوفان کی وجوہات پر غور کریں ، یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ اس حقیقت کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھ لیں ۔ کیونکہ جب تک کسی واقعہ کا تاریخی وجود ثابت نہ ہو ، اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا بے سود ہوگا ۔

بابل کی گلگامش بہادرانہ نظم میں طوفان کا بیان پایا جاتا ہے ۔ اور اس کا قدیم ترین نسخہ ایک ایسی لوح پر منقش ہے جس کے اخبار کی طرح چھ کالم ہیں ۔ یہ نظم تین ہزار قبل از مسیح میں لکھی گئی تھی ، جبکہ طوفان مورخین کی رائے کے مطابق تین ہزار پانچصد سال قبل از مسیح آیا تھا ۔ اس نظم میں تخلیق کا تعلق طوفان کے ساتھ ، اور طوفان کا تعلق گناہ سے ہے ۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بڑی کشتی تیار کی گئی تھی ۔ جس کے طفیل صرف ایک خاندان بچ نکلا تھا ۔

بوغز کیوئی کے مقام پر ایک کہانی کا حصہ ملا ہے جو حوری زمانہ میں مروج تھی ۔ اس میں طوفان کا حال مندرج ہے ۔ ہیرو کا نام : نحمولی ایل دیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا اختصار نوح ہو — ان تمام بیانات کا ماخذ بہت قدیم ہوگا ، اور شاید اصل واقعات تک پہنچتا ہو ۔

۱۹۲۹ء میں اُور کی زمین کے نیچے آٹھ فٹ موٹی مٹی کی ایسی تہہ ملی ہے جو صرف دریا میں سیلاب آنے کے باعث جم سکتی ہے ۔

اور "کیش" کے مقام پر بھی ایسا ہی نقشہ تھا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہ تہہ نشین مادے کسی غیر معمولی اور بہت ہی سخت طوفان کے باعث ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جس نے قدیم انسانی نسل اور تہذیب و تمدن کو بالکل ملیا میٹ کر دیا، اور یہ طوفان بلاشک وشبہ وہی ہے جس کا ذکر بائبل مقدس۔ سومری روایت اور تواریخ میں پایا جاتا ہے۔

بابلی نظم کا یہ تخیل کہ طوفان کا تعلق گناہ سے ہے — بائبل کی تحریر کے عین مطابق ہے۔ جیسے لکھا ہے:

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصورات اور خیالات سدا بُرے ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا، روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں، مگر نوح خداوند کی نظر میں مقبول ہوا۔"

خداوند تعالیٰ کے نزدیک انسانی بدی سے ملول ہونے کا سب سے بڑا سبب خدا کے بیٹوں اور آدم کی بیٹیوں کا باہم ملاپ تھا۔ جیسے

لکھا ہے:

"جب روئے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے
اور اُن کے بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں
نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت
ہیں اور جن کو انہوں نے چُنا اُن سے بیاہ کر
لیا۔ تب خداوند نے کہا کہ میری رُوح انسان
کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی ___
کیونکہ وہ بھی تو بشر ہے تو بھی اُس کی عُمر
ایک سو بیس برس کی ہوگی۔"

چونکہ خداوند تعالٰے کو یہ شادیاں ناپسند تھیں اس لئے اُس نے اس گھناؤنے فعل کے ماحصل یعنی اس نسل کو جو خدا کے بیٹوں، اور آدم کی بیٹیوں کے باعث معرض وجود میں آئی تھی معہ ان کے والدین کے نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا۔

یہ خدا کے بیٹے کون تھے؟

اس کے متعلق علمائے دین کی اکثریت فرشتوں کے حق میں ہے جب یہ نظریہ حقائق سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا وجود انسانی وجود کی مانند نہیں بلکہ ایک ایسے میٹریل سے پیدا شدہ ہے جو لافانی اور لاثانی ہے۔ بلکہ اگر ہم یوں کہیں کہ فرشتے سراپا نور ہیں اور ان میں مادہ نام کا کوئی عنصر بھی نہیں پایا جاتا تو حق بجانب ہوگا لہٰذا نور اور مادے کا ملاپ قرینِ قیاس نہیں ہے۔

آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل جب اہلِ یہود نے مسیح ناصری

سے قیامت میں بیوی کے متعلق سوال کیا گیا تو اُنھوں نے کہا :

"قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے"۔

اُن کی اس دلیل سے یوں لگتا ہے کہ آسمان (فردوس) پر انسان کو جنسی رجحانات تنگ نہیں کریں گے اور مشابہت کے لئے وہ فرشتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بقول مسیح فرشتے جنسی میلانات سے بالکل خالی ہیں کیونکہ اگر فرشتوں میں ایسے رجحانات پائے جاتے تو یقیناً خداوند تعالےٰ ان کو بھی نر و ناری پیدا کرتا اور بڑھنے پھلنے کی برکات دیتا جیسا کہ نظامِ خداوندی کے تحت افزائش نسل کے لئے فریقین کا ہم جنس ہونا ایک امرِ لازم ہے۔ اگر اُس کے نزدیک اس اصول کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو وہ آدم کے اکیلا ہونے کی متعلق فکر نہ کرتا بلکہ کسی بھی مادہ سے اس کے لئے نسل کا انتظام کیا جا سکتا تھا، لیکن اس کے برعکس بائبل میں یوں مرقوم ہے :

"اور خداوند نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں
میں اس کے لئے ایک مددگار اس کی مانند بناؤنگا۔
اور خداوند خدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے
پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدم کے پاس
لایا کہ وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدم نے
جس جانور کو جو کہا وہی اُس کا نام ٹھہرا۔ اور
آدم نے کل چوپایوں اور ہوا کے کل پرندوں،
اور دشتی جانوروں کے نام رکھے پر آدم کیلئے

کوئی مددگار اس کی مانند نہ ملا۔"

اس اقتباس میں آپ " اس کی مانند " کے الفاظ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو یقیناً ہماری مانند اس اُلجھن میں پھنس جائیں گے کہ فرشتوں نے کس طرح آدمی کی بیٹیوں سے شادیاں کیں، اور اُن سے افزائشِ نسل کا عمل بھی ظہور پذیر ہؤا۔

شاید آپ کہیں کہ فرشتوں میں یہ قدرت موجود ہے کہ وہ جس شکل میں چاہیں اپنے آپ کو ڈھال لیں، لیکن ہم ذاتی طور پر اس کے لئے بھی منفی اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ اگر فرشتہ کوئی شکل اختیار کرنے کا مجاز ہوتا تو ابلیس جو کہ ایک مقرب فرشتہ تھا، حوّا کو بہکانے کے لئے پہلے سے تیار شدہ سانپ کے وجود کا سہارا نہ لیتا۔ وہ خود شکلِ انسانی یا حیوانی میں تبدیل ہو کر اس سے بات کر سکتا تھا۔ لیکن چونکہ فرشتہ ایک رُوح ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے کسی نیک یا بد مقصد کے حصول کی خاطر کسی جسم میں حلول کرتا ہے اور وہ کام جو اسے کرنا ہوتا ہے اس کے لئے اسی جسم کو استعمال میں لاتا ہے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ فرشتے انسانی جسم اختیار کر لیتے ہیں۔ تو یقیناً ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرے گا کہ وہ یہ انسانی جسم کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ (جبکہ خداوند تعالےٰ کو انسانی جسم بنانے کے لئے زمین کی مٹی کے علاوہ اپنی صورت و شبیہہ اور زندگی کے دم کی ضرورت پڑی۔) جن کا مصدر صرف اس کی ہی ذات اعلیٰ صفات ہے اور پھر اس انسانی جسم کے تسلسل کے لئے ایک نظام بذریعہ عورت مرتب کیا۔ اگر فرشتے زمین کی مٹی سے فوراً ہی اپنے لئے جسم تیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر خداوند تعالےٰ کی خالق ہونے کی صفت کہاں گئی؟ جبکہ اس طور

پر فرشتے اس سے بھی زیادہ قابل خالق بن جاتے ہیں۔ پھر تو اس کی پیدا کردہ مخلوق فرشتے اس کے برابر۔ شریک اور قابل پرستش ٹھہرے۔

فرشتوں کے جسم اختیار کرنے کے مفروضہ سے دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا۔ کہ جب وہ آسمان پر یا لامتناہی وسعتوں میں واپس جاتے ہیں تو وہ اپنا جسم کہاں چھوڑ جاتے ہیں؟ جس کے ساتھ وہ انسانوں میں رہتے سہتے۔ کھاتے پیتے اور بیاہ شادیاں کرتے ہیں۔ وہ جسم تو لامحالہ خون اور گوشت کا جسم ٹھہرا۔ جس کے متعلق مسیحؑ ناصری کا فرمان ہے کہ یہ خدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ جسم عنصری اس کی حضوری میں بنفس نفیس جانے کا مجاز ہے تو خداوند تعالیٰ کا وہ اصول کہ!

"انسان خاک سے ہے اور پھر خاک میں لوٹ جائیگا" کیا ہوا؟

اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں بائبل کی تحریرات اس ثبوت کی غمازی کرتی ہیں کہ آدم سے قبل نسلِ انسانی کا وجود زمین پر تھا۔ لیکن آدم کو معہ اس کی اولاد کے ان پر یہ فوقیت حاصل ہوگی کہ وہ خداوند تعالےٰ کی قربت میں رہنے کا شرف حاصل کر چکے تھے اور اس لحاظ سے برگزیدہ تھے اور بائبل کی فلاسفی اس بات سے کہیں بھی انکار نہیں کرتی کہ وہ لوگ جو خداوند تعالےٰ کو قادرِ مطلق سمجھ کر اس کی عبادت کرتے اور اس کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں "بیٹے" کہلانے کے حقدار ہیں۔

عدن سے ہجرت کے بعد جب یہ برگزیدہ نسل ان لوگوں کے درمیان گئی ہوگی تو یقیناً اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے اُن سے میل جول نہ کیا ہو کیونکہ وہ لوگ ہر اعتبار سے ان کے ہم پلّہ نہ تھے بلکہ جسمانی اعتبار سے بھی وہ لوگ قوی ہیکل اور دیو نما تھے جیسے کہ پیدائش ۶ میں مرقوم ہے۔

جو لوگ بائبل کی تحریر کا بنظرِ غائر مطالعہ نہیں کرتے وہ چوتھی آیت کے لفظ "جبار" کو خدا کے بیٹوں اور آدم کی بیٹیوں کے باہمی ملاپ سے پیدا ہونے والی اولاد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تحریر کا مفہوم اس سے بالکل علیحدہ ہے۔ لکھا ہے:

"اُن دنوں میں زمین پر جبار تھے اور بعد میں جب خدا کے بیٹے انسانوں کی بیٹیوں کے پاس گئے تو اُن سے اولاد ہوئی۔ یہی قدیم زمانہ کے سُورما ہیں جو بڑے نامور ہوئے ہیں"

اس اقتباس میں جبار کا وجود قبل از ملاپ کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ بعد میں خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس گئے۔ لہذا جبار اس ملاپ کا نتیجہ نہیں بلکہ اُس سے قبل اپنی علیحدہ شخصیت رکھتے تھے۔ اگر بائبل کی یہ تحریر حقیقت پر مبنی اور الہام کی وساطت سے مصنف پر ظاہر ہوئی تھی تو پھر ہمیں ڈارون کی فلاسفی سے بھی انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ جو کہ لمبی لمبی ہڈیوں اور موجودہ اجسام کے مشابہ بڑے بڑے اعضا بطور ثبوت پیش کر کے انسانی نسل کی قدامت پر روشنی ڈالتا تھا، کیونکہ اس لحاظ سے تو بائبل کا الہام اور ڈارون کی تھیوری ایک ہی باپ کی دو بیٹیاں نظر آتی ہیں۔ اگر ایسا تھا تو پھر ان دو نسلوں کے باہم ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوئی اور بائبل کے مصنف نے جس کو قدیم زمانہ کے سورما کہا ہے بالکل درست ہے۔ اور اس لحاظ سے یہی جبار ان لڑکیوں کے والدین تھے جن کو مصنف نے آدم کی بیٹیاں کہا ہے جبکہ خدا کے بیٹوں سے اُسکی مراد معنوی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر اُس آدم کی اولاد تھی جو اماں حوا

کا خاوند - قائن - ہابل اور سیت کا باپ تھا -

لیکن اس کے برعکس اگر ہمارا ذہن ایمان اور عقیدہ ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم قائن اور ہابل کے باپ آدم کو ہی انسانِ اول سمجھیں تو پھر بائبل کی یہ تحریر جس کی ہم نے وضاحت پچھلے صفحات میں کی ہے الہام نہیں بلکہ سومری روایات اور بابلی عقائد کے اقتباسات پر مبنی ہے - پھر قائن کا خوف کھانا کہ کوئی مجھے پاکر مار نہ ڈالے - خداوند تعالیٰ کا اس کے لئے نشان مقرر کرنا - اس کا نود کے علاقہ میں جانا - بیوی حاصل کرنا اور شہر بسانا محض ایک داستان سی معلوم دیتی ہے - کیونکہ آدم کا واحد روئے زمین پر ہونا ، ان حقائق کی سراسر منفی کرتا ہے ، اور ہم مجبور ہیں کہ اپنی ذہنی تسلی کے لئے دوسرے مذاہب - مختلف مکاتیبِ فکر - آثارِ قدیمہ اور ادب سے استفادہ حاصل کریں تاکہ نسلِ انسانی کی تحقیقی تواریخ بغیر کسی الجھن کے ہمارے سامنے آجائے اور ہم ایک ایسا باب ترتیب دیں جس پر انگشت نمائی نہ ہو سکے - اور جو ذہنوں میں خلا پیدا نہ ہونے دے -

اگر ہم یہ مان لیں کہ قدیم الایام کی تاریخ مصنف کو بذریعہ رویا معلوم ہوئی تھی تو پھر زرتشت کی کتاب اوستا کے متعلق ہم کیا رائے دینے کے لئے تیار ہوں گے - جس میں تخلیق انسانی کا ذکر کیا گیا ہے - وہ بھی پہلے آسمان پھر پانی - نباتات اور جانوروں کا ذکر کرکے آخر میں انسان کی تخلیق بتاتا ہے - وہ ایک ایسے بہشت کا ذکر کرتا ہے - جہاں خدا نے ایک بھائی اور بہن کو رکھا کہ وہ بنی نوعِ انسان کے پہلے ماں باپ ہوں - وہ بالکل بے عیب اور پاک تھے لیکن اہرمن (شیطان) نے انہیں بگاڑ دیا - اور وہ گناہ کا شکار ہو گئے -

اگر یہ داستان زرتشت نے بائبلی مواخذ سے حاصل کی ہوتی تو اس کو من وعن اسی طرح بیان کرنے میں کیا حرج تھا لیکن داستان میں اختلاف اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ بائبل کے مصنف اور زرتشت نے دو مختلف مواخذ سے اسے اخذ کیا ہے اور یہی اس کلام کے غیر الہامی ہونے کی مدلل دلیل اور مجموعہ روایات ہونے کی تصدیق ہے۔

اہلِ ہنود جو کہ اپنے مذہب کو ابتدائی اور بہت ہی قدیم مانتے ہیں دُنیا کی پیدائش کا عرصہ ایک ارب ستانوے کروڑ اور تقریباً تیس لاکھ سال بتاتے ہیں اور وہ ویدوں کو بھی اتنا ہی قدیم مانتے ہیں جتنا کہ تخلیق عالم کے متعلق ان کا نظریہ ہے۔ وہ بھی انسانی آغاز کو ارضی، اور مقام پیدائش تبت کے علاقے کو مانتے ہیں۔ یجر وید کے قول کے مطابق شروع میں سینکڑوں اور ہزاروں آدمی پیدا ہوئے اور اُن کی حالت جوانی کی تھی جس کے لئے وہ دلیل دیتے ہیں کہ انسان اگر بچے پیدا ہوتے، تو ان کو پالنے کے لئے دوسروں کی ضرورت ہوتی اور اگر بوڑھے پیدا ہوتے تو مواصلت کی خلقت نہ ہوتی، اس لئے لوگ جوانی میں ہی پیدا کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسرے کُروں میں بھی انسان وغیرہ خلقت کی موجودگی وید کی تعلیمات سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کی رُو سے جیو۔ پراُتما اور مادہ ازلی و ابدی اور غیر مخلوق ہیں اور ان ہی کی وساطت سے سارا نظام کائنات معرضِ وجود میں آیا ہے اگر ان تینوں کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آپ محسوس کریں گے کہ جیو۔ پراُتما اور مادہ کی ازلی و ابدی تثلیث کے اندر مسیحی مسئلہ تثلیث پنہاں ہے، اور اس مطابقت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہندوازم کا ماخذ بھی وہی سومری

اور بابلی عقائد ہیں جو مختلف مذاہب کے شانہ بشانہ پروان چڑھتے رہے اور عوام کے باہمی میل ملاپ کے باعث مختلف ادوار میں اپنے اثرات و تاثرات ان مذاہب کے عقائد میں ڈالتے رہے جن کے ماننے والے انبیائے کرام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنی اپنی گدیوں کی حفاظت میں مصروف کار رہتے۔

لیکن اس کے برعکس اسلام نے باب آفرینش کے اہم جزو یعنی آدم کے متعلق ایک نیا ہی نظریہ پیش کیا ہے۔ جو کہ متذکرہ بالا تمام عقائد، روایات اور تواریخ کی تردید کرتا ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق، وہ جنت جہاں پر آدم اور حوا کو رکھا گیا تھا، کوئی مقام ارضی نہیں بلکہ سماوی تھا اور زمین پر ان کو اس وقت اتارا گیا جب کہ انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر ارتکاب گناہ کیا۔ گو اُن کی تخلیق کا مقصد خلافت ارضی تھا لیکن مقام اول زمین نہ تھا، اور یہ نظریہ مسیحی نظریہ کے عین مطابق ہے کیونکہ مسیح ناصری نے بھی اسی بات کی تصدیق کی ہے کہ جنت کا مقام آسمان پر ہوگا جیسے لکھا ہے:

(۱) "جب لوگ مردوں میں سے جی اُٹھیں گے تو اُن میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہونگے" (مرقس ۱۲/۲۵)

(۲) "اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مرگیا اور فرشتوں نے اُسے لے جاکر ابراہام کی گود میں پہنچا دیا" (لوقا ۱۶/۲۲)

(۳) "اُس نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا" (لوقا ۲۳/۴۳)

مندرجہ بالا حوالہ جات اور ان کے علاوہ بیسیوں ایسے اقوالِ مسیح ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنت یا فردوس کا مقام کوئی خطۂ ارضی نہیں بلکہ وہ لوگ جو خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ وہ قیامت میں آسمانی مقاموں میں جاگزیں ہوں گے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے جدِ امجد آسمان ہی سے زمین پر منتقل ہوئے تھے اور ہم یہاں پر آسمانی مہاجرین کیطرح زندگی کے دن گزار رہے ہیں اور ہماری تڑپ اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ہمیں بالآخر اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہے کیونکہ یہ نظامِ فطرت اور ترتیبِ کائنات ہے کہ ہر چیز جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں پر ہی اختتام پذیر ہوتی ہے اور اس لحاظ سے مسیحی فکر اور اسلامی تعلیمات ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتی ہیں اور ہم مسیحؑ کے بعد ان سومری اور بابلی روایات سے منہ موڑنے پر مجبور ہیں کیونکہ اگر ان کو مصدق سمجھتے ہیں تو مسیح کی تعلیمات غیر مصدقہ ہو جاتی ہیں۔ لہذا ہمیں ہر اُس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیئے۔ جو کہ مسیح ناصری کا فرمان ہے۔

پھل

باغِ فردوس میں آدم اور حوّا کی ہجرت کا باعث وہ پھل تھا۔ جس کے متعلق خداوند تعالےٰ نے فرمایا تھا کہ یہ نہ کھانا، اور اس پر تمام انبیائے کرام کی ایک ہی رائے ہے۔ لیکن مفسرین اور معتقدین نے اس پھل کی کھوج میں ایسے ایسے اندازِ فکر اپنائے ہیں کہ ذہن ان پر قبولیت کی مُہر

لگانے سے قاصر ہے۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ وہ کوئی پھل نہ تھا۔ لیکن جو چیز بذریعہ مشاہدہ یا مکاشفہ ہم پر عیاں نہیں کی گئی۔ اس کے متعلق اپنے ذہنوں کی اختراع کو زبردستی ٹھونس دینا بھی تو ایسی زیادتی ہے۔ جس کو ہم اگر گناہ کا نام دے دیں تو مضائقہ نہ ہوگا۔ ایک چیز جسکا وجود اور نام ہی ناپید ہے اس کو ہم کیا کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اس کے متعلق دو قسم کے جو نظریات ہمارے سننے میں آئے ہیں — ان میں سے پہلا کم علمی اور دوسرا بے حیائی پر مبنی ہے۔ ایک نظریہ کے حامی اس پھل کو گندم کا دانہ تصور کرتے ہیں اور اپنی تصدیق کے لئے وہ اس دانے کو دو حصوں میں منقسم شدہ بتاتے ہیں اور اس سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ چونکہ انہوں نے آدھا آدھا پھل کھایا تھا۔ اس لئے یہ نشانِ تقسیم نمایاں ہے۔ لیکن ہم اُن سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ دانہ پہلے سے تھا یا اس گناہ کے بعد پیدا ہوا تھا، اور وہ یقیناً کہیں گے کہ پہلے سے تھا — لہٰذا اگر دانہ پہلے سے موجود تھا تو پھر وہ جب بھی اُگے گا اپنی پہلی شکل و صورت میں نمودار ہوگا، کیونکہ خداوند تعالٰے کے اصول کے مطابق اُن کی تخلیق کے وقت ہی ان کو یہ برکت دی گئی تھی کہ اپنی اپنی جنس کے موافق پھل لانا۔

دوسرے نظریہ کے حامی لوگ اس پھل کو آدم اور حوّا کے فریضۂ زوجیت ادا کرنے کو کہتے ہیں، اور یہ بھی اس لئے قرینِ قیاس نہیں کہ بائبل۔ انجیل اور دوسری کتب سماوی اس کی تصدیق نہیں کرتیں۔ بلکہ ایک ذہنی مفروضہ ہے۔ لہٰذا اس پھل سے اصل غرض اس بات کی آزمائش تھی کہ یہ شیطان کی ترغیبات کے مقابلے میں کس حد تک حکم کی پیروی پر قائم رہتے ہیں۔

ابراہام

نوح کے بعد مصنف نسب نامہ کی مختلف کڑیوں کی نشاندہی کرتا ہوا ابراہام تک آتا ہے اور یہ ایک ایسی تواریخی شخصیت ہے جس سے مؤرخین کے علاوہ اسرائیلی، مسیحی، صابئی اور اسلامی ماخذ انکار نہیں کرتے، اور یہ کہنا ہماری ہٹ دھرمی ہے کہ دوسرے تمام مواخذ کا مصدر اسرائیلی روایات ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو مختلف اسمائے گرامی ایک ہی طرح سے تحریر کئے جاتے ہیں اور واقعات ایک دوسرے پر من عن منطبق ہوتے۔ لیکن واقعات میں قدرے اختلاف اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ہر ایک مکتبۂ فکر کے مؤرخین اور محققین نے اپنے طور پر تحقیق کی ہے اور اس سلسلے میں اسلامی مواخذ زیادہ مستند ہیں، کیونکہ وہ کسی شخصیت کے متعلق بچپن سے لے کر موت تک تمام حالات و واقعات کو ہم تک پہنچاتے ہیں جبکہ اس کے مقابل بائبل کی تحریر جسکو ہم الہامی بھی کہتے ہیں، اختصار پسندی کا شکار ہے۔ آج جبکہ دوسرے ماخذوں سے بھی ان واقعات کا پتہ چلا ہے تو تحقیق نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ مصنف نے یہ واقعات گزشتہ روایات اور تحریرات سے حاصل کر کے پیدائش کی کتاب میں درج کئے ہیں نہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بذریعہ الہام یا مکاشفہ لکھوائے ہیں۔ اگر یہ واقعات صرف بائیبل کی زینت ہی ہوتے تو شاید ہم اسی عقیدے کی اندھا دھند تقلید کرتے رہتے لیکن آج مختلف اقوام کے لٹریچر اور زمین کے پیٹ نے ہم پر عیاں کر دیا ہے کہ یہ محض ایک تواریخی

حقیقت ہے اور جہاں تاریخ کا سلسلہ آتا ہے اُس میں مؤرخین کا اختلاف الرائے ہونا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ ہر مؤرخ اپنا ایک الگ مکتبۂ فکر اور الگ قبیلہ رکھتا ہے۔ اس لیے وہ حالات کو کھینچ تان کر اپنی ہی ملی۔ مذہبی اور ثقافتی اقدار کی گراؤنڈ کو مضبوط کرتا ہے۔ جیسا کہ شہنشاہان مغلیہ کے متعلق یورپی اور برصغیر کے مؤرخین میں اختلاف ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم بائبل کی تحریرات متعلقہ ابراہام زیرِ بحث لائیں اس دَور کا تاریخی پس منظر جاننا بہت ضروری ہے۔ جہاں تک ابراہام کی پیدائش اور پروان چڑھنے کا تعلق ہے اسکا مسکن کسدیوں کا اُور ہے جیسا کہ حاران کی موت کے متعلق جو کہ ابراہام کا بھائی تھا لکھا ہے:

"حاران اپنے باپ تارح کے آگے اپنی زاد بوم یعنی
کسدیوں کے اُور میں مرا۔"

اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہام کے آبا و اجداد اُور کے باشندے تھے اور وہ اسی شہر میں پل کر جوان ہوا۔

اُور

سرلیونارڈ وولی کی کتاب "ابراہام" مطبوعہ لندن ۱۹۳۵ء کی تحقیقات کے مطابق اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر ابراہام کے ظہور کا زمانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ شہر اُور کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی۔ یہ بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا ایک طرف پامیر اور نیلگری تک سے وہاں مال آتا تھا، اور دوسری طرف اناطولیہ

تک اس کے تجارتی تعلقات تھے۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اسکی حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھیں۔ ملک کی بیشتر آبادی صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اس عہد کی جو تحریرات آثار قدیمہ کے کھنڈرات سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ سود خواری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی اور لوگ سخت قسم کے کاروباری تھے۔ ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں اپنے خداؤں سے ان کی دعائیں زیادہ تر درازیٔ عمر۔ خوشحالی، اور کاروبار کی ترقی سے متعلق ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ عمیلو: یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں پجاری۔ حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

۲۔ مشکینو: یہ تجار۔ اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

۳۔ اردو: یہ غلام تھے۔

ان میں سب سے پہلے طبقہ کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ اُن کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ یہ شہر اور یہ معاشرہ جس میں ابراہام نے آنکھیں کھولیں۔ اُن کا اور ان کے خاندان کا جو حال تالمود میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمیلو طبقہ کے ایک فرد تھے اور آپ کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔

اُور کے کتبات میں تقریباً پانچہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک

کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رب البلد۔ مہادیو یا رئیس الالٰہ سمجھا جاتا تھا، اور اسکا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُور کا رب البلد "ننّار" یعنی چاند دیوتا تھا، اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام: "قمرینہ" بھی لکھا ہے۔

دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا جو بعد میں اُور کی بجائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا رب البلد "شماش" یعنی سورج دیوتا تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے، اور کم تر زمین سے منتخب کئے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فردی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی تشکل میں بنالی گئی تھیں، اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجا لائے جاتے تھے۔

"ننار" یعنی چاند دیوتا کا بُت اُور میں سب سے اُونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اور اس کے قریب "ننار" کی بیوی "ن گل" کا معبد تھا۔ ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پجارن جاکر اس کی دُلہن بنتی تھی جو کہ ظاہر ہے کہ پجاری حضرات کی ہوس کا شکار ہوتی ہوگی۔ اس کے علاوہ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں، اور اُن کی حیثیت دیوداسیوں کی سی تھیں۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو اس خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو راہ خدا میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لئے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس

مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری حضرات تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار سب سے بڑا تاجر۔ سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ۔ مکانات اور زمینیں اس مندر کے لیئے وقف تھیں۔ اس جائداد کی آمدنی کے علاوہ کسان سے زمیندار۔ تجار سب ہر قسم کے غلتے۔ دودھ۔ سونا۔ کپڑا اور دوسری چیزیں لاکر مندر کی نذر کرتے تھے۔ جنہیں وصول کرنے کے لیئے مندر میں ایک بہت بڑا سٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کیطرف سے ہوتا تھا۔ اور یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پجاری اس کے جج تھے اور اُن کے فیصلے "خدا" کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی "ننار" ہی سے ماخوذ تھی۔ اور حکمران قائم مقام کے طور پر حکومت کرتا تھا اور اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہوجاتا تھا اور خداؤں کی مانند اسکی پرستش کی جاتی تھی۔ اُور کا شاہی خاندان جو ابراہام کے زمانہ میں حکمران تھا، اس کے بانیٔ اول کا نام "اُرنمو" تھا۔ جس نے ۲۳۰۰ ق۔م میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدودِ مملکت مشرق میں سوسہ سے لیکر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہی سے اِس خاندان کو "خاندان نمو" کا نام ملا۔ جو عربی زبان میں نمرود کہلایا۔

بائبل میں ابراہام کا بیان تارح کی اُور سے حاران کی طرف ہجرت

سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس کی وجوہات بیان نہیں کی گئیں جبکہ بائبل کے بالمقابل تاریخ میں اس ہجرت کا سبب موجودہ جنوبی عراق میں سیاسی بحران تھا۔ جس کے بڑے اثرات اور کے باشندوں کی معیشت پر پڑے، اور یہ بحران عراقی شہروں سے سیاسی اقتدار عیلام قبائل کی طرف منتقل ہونے سے پیدا ہوا تھا۔ پہلے عیلامیوں نے اُور کو تباہ کیا۔ اور بادشاہ کو "ننار" کے بت سمیت پکڑ کر لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی۔ جسکے ماتحت اُور کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔

ناتے دار

حاران میں تارح کی وفات کے بعد پچھتر سال کی عمر میں ابراہام کو خدا اپنے ناتے داروں کو چھوڑ کر اس ملک کیطرف جانے کی تاکید کرتا ہے۔ جو وہ اس کو دینے والا تھا۔ گو بائبل کے مصنف نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ وہ لوگ کس طرح سے ابراہام کے ناتے دار ٹھہرتے تھے۔ لیکن تاریخ اس خاندان کی ہجرت سے قبل حاران میں سامی قبائل کی نشاندہی کرتی ہے۔ چونکہ ابراہام بھی سامی النسل تھا اس لحاظ سے وہ قبائل اس کے ناتے دار کہے گئے ہیں۔

خداوند

وہ راستہ جس پر ابراہام حاران سے کنعان کیطرف ر
بے آب وگیاہ شاہراہ نہ تھی بلکہ ایک ایسا راستہ تھا جس
چلا کرتے تھے۔ کیونکہ قومیں آپس میں خوب تجارت کیا کر
اس لئے ابراہام کو کوئی ایسی دشواری پیش نہ آئی جو ا
میں رکاوٹ کا باعث ہوتی، لیکن دورانِ سفر جب وہ
بلوط تک پہنچتا ہے تو ایک عجیب و غریب واقعہ پیش
کہ خدا اس کو دکھائی دیتا ہے جیسے لکھا ہے:

"تب خداوند نے ابراہام کو دکھائی دے کر کہا"
ان الفاظ سے جہاں اس تحریر کے الہامی ہونے کی نفی ہوتی
کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا اصول بھی شکستہ ہو جاتا ۔
اس سے قبل اور بعد کہیں بھی خداوند قادرِ مطلق بالمشافہ انسان
وہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی شکل و صورت میں نظر نہیں آیا؛
کہ آدم جس سے اس کے ابتدائی مراسم تھے صرف آواز سنتا
سے ناواقف تھا اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوند تعالےٰ
بت پرستی کے سخت خلاف ہے۔ اپنے آپ کو کسی تجسم میں ڈ
ایسے مواقع خود فراہم کرے۔ جس سے اس کی صورت یا شبہ
اس کی پرستش شروع کر دی جائے۔ موسےٰ کے دورِ نبوت
بھی خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ تو کسی ایسے وسیلہ کو اخ

جس کو تجسّم میں لانا بہت مشکل تھا، خواہ وہ دھواں تھا یا بادل ، آواز تھی یا روشنی گویا کہ یہ ایسی چیزیں تھیں جو انسان کے لئے اجنبی نہ تھیں۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ اپنی حضوری کو بروئے کار لانے کے لئے کسی فوق الفطرت شئے سے نہیں بلکہ اُن عناصر سے کام لیتا ہے ، جن کو وہ ابتدائے آفرینش سے تخلیق کر چکا ہے۔ لہذا یہاں " دکھائی دیا " کی وضاحت بہت ضروری اور ایمان افروز تھی کیونکہ ایسی ہی گول مول تحریروں نے زمانۂ قدیم میں بُت پرستی کی راہیں ہموار کی تھیں اور لوگ تخیلات کی پروازیں ایسے بُت بنا گئے جن کو وہ خدا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

مصر

جب ابراہام سفر کرتا ہوا جنوب کی طرف جو کہ آجکل عرب کا علاقہ ہے بڑھتا ہے تو کال کی آفت سے دوچار ہو جاتا ہے اور مصر کی طرف چلا جاتا ہے۔ اُس ملک میں داخل ہونے سے قبل وہ اپنی بیوی سارہ سے کہتا ہے کہ چونکہ تو خوب صورت ہے لہذا مصر کے علاقہ میں اپنے آپ کو میری بہن ظاہر کرنا تاکہ میری جان بچ جائے لہذا مصر میں ایسا ہی واقعہ پیش آتا ہے اور سارہ فرعون کے گھر میں پہنچا دی جاتی ہے ، اور اس کے عوض ابراہام کو بہت سے تحائف سے نوازا جاتا ہے۔ جن کو وہ بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ بائبل میں یوں مرقوم ہے :

" اور فرعون کے اُمراء نے اسے دیکھ کر فرعون کے حضور میں اس کی تعریف کی اور وہ عورت فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی اور اس نے اس کی خاطر

ابراہام پر احسان کیا اور بھیڑ بکریں۔ گائے بیل اور گدھے
اور غلام اور لونڈیاں اور گدھیاں اور اونٹ اُس کے
پاس ہو گئے "۔ (پیدائش ۱۲ : ۱۶-۱۵)

فرعون کے گھر پر سارہ کی وجہ سے بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ تب اُسے پتہ چلتا ہے کہ سارہ ابراہام کی بہن نہیں بلکہ بیوی ہے۔ پس وہ ابراہام کو وہاں سے مع سامان کے روانہ کر دیتا ہے۔

اسرائیلی مصنف نے اس واقعہ کو زیر تحریر لاتے وقت اپنے جد امجد کے کردار پر سرسری سی روشنی بھی ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر وہ حقیقتوں کی تلاش کے لیے دیگر مواخذ پر بھی مغز ماری کرنے کی کوشش کرتا تو شاید ہم پیدا ہونے والی بیسیوں الجھنوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتے۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں جبکہ غیرت و حمیت کی کشتی ڈگمگا رہی ہے۔ میں علمائے دین۔ معتقدین اور ناظرین سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ :

۱۔ کیا ایک بہادر جنگجو خاوند اپنی بیوی کو بلا تامل دوسرے کی آغوش کی زینت بننے کے لئے بھیج سکتا ہے ؟

۲۔ کیا ایک عزت مند خاوند بیوی کی عزت کے عوض اشیائے مادی بخوشی قبول کرنے پر تیار ہو جاتا ہے ؟

اگر اس دور میں یہ بات ناقابلِ یقین ہے تو ایمانداروں کے باپ اور عبری خاندان کے سردار کے ساتھ ایسے واقعہ کا منسوب کرنا ــــ گویا اُسکی عزت، غیرت اور طاقت کو کھلا چیلنج ہے۔ لیکن ہم جو بزرگوں کی عزت

واحترام کے قائل ہیں۔ ہمیں اس واقعہ سے مشکوک، یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم اس عزم کے ساتھ مطالعہ کر رہے ہیں کہ ہر اس حقیقت کا احترام کریں گے جو قابلِ قبول ہوگی۔ خواہ اس کا ماخذ کوئی بھی کیوں نہ ہو — تو میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں ہمارے پاس جو اسلامی مصادر ہیں، وہ قابلِ قبول اور ذہن کو اپیل کرتے ہیں۔ اسلامی ماخذ اس واقعہ کو بیان کرتے وقت ابراہام کی عظمت اور سارہ کی پاکیزگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں: کہ جب سارہ کو فرعون لے گیا تو ابراہام نماز کیلئے کھڑے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے پیش آمدہ نزاکت کو ہٹ جانے اور جان و آبرو کی سلامتی کی دعا مانگنے لگے۔ اُدھر فرعون نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ سُن ہوگیا۔ فرعون نے سارہ سے عرض کی کہ اپنے رب سے دعا کرو لہذا سارہ کی دُعا سے اسکا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ غرضیکہ تین دفعہ اس نے یہی حرکت کی اور سارہ نے دعا۔ تنگ آکر فرعون نے سارہ کو واپس بھیج دیا بلکہ ہاجرہ کو بطور خادمہ بھی دے دیا۔ جب آپ واپس آئیں تو ابراہام نماز سے فارغ ہوئے اور پوچھنے پر پتہ چلا کہ اللہ نے خیر فرمائی اور فاجر کا ہاتھ روک دیا اور خدمت کے لئے خادمہ بھی عطا فرما دی ہے۔ (ابن الانبیا صفحہ ۱۲۷)

مہمان

اس کتاب کے پچھلے صفحات میں ہم نے اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی کہ مخلوق سماوی یعنی فرشتے خون اور گوشت والے

جسم سے بالاتر اور ضروریات مادیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن بائبل الہام میں تین فرشتے ہمارے لئے ایک ذہنی الجھن بن گئے ابراہام کے پاس آتے ہیں اور باریک آٹے کے پھلکوں۔ گوشت اور مکھن سے سیر ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اُسے نظر آیا، اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا، اور اُس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ ان کو دیکھ کر خیمہ کے دروازہ سے اُن سے ملنے کے لئے دوڑا، اور زمین تک جھکا، اور کہنے لگا کہ اے میرے خداوند اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادم کے پاس سے چلے نہ جائیں۔ بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کریں۔ میں کچھ روٹی لاتا ہوں۔ آپ تازہ دم ہو جائیں۔ تب آگے بڑھیں کیونکہ آپ اسی لئے اپنے خادم کے ہاں آئے ہیں۔ انہوں نے کہا: جیسا تو نے کہا ہے ویسا ہی کر اور ابراہام ڈیرے میں سارا کے پاس دوڑا گیا اور کہا، تین پیمانے باریک آٹا جلد لے اور اسے گوندھ کر پھلکے بنا۔ اور ابراہام گلہ کی طرف دوڑا۔ اور

ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلدی جلدی اُسے تیار کیا۔ پھر اس نے مکھن ۔ دُودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کر اُن کے سامنے رکھا اور آپ اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا"

(پیدائش ۱۸ / ۱-۸)

قصہ اس کے آغاز میں ہمیں پھر اسی الجھن سے دو چار ہونا پڑا ہے ہم تردید اس سے پہلے کر چکے ہیں کہ خدا ابراہام کو کیسے نظر آیا۔

لیکن اس کے برعکس اسلامی ماخذ اس واقعہ کو قرینِ قیاس اور مخلوقِ سماوی کی نفسیات کے عین مطابق بیان کرتے ہیں۔ قرآن کریم بھی ان مہمانوں کا قصہ بیان کرتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ انہوں نے کھایا اور سیر ہوئے بلکہ یہ کہتا ہے کہ وہ کھانے پر بیٹھے تو سہی لیکن انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھائے اور حضرت ابراہیمؑ نے اُن سے کھانے کی درخواست کی لیکن انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھائے اور نہ کھایا۔ پھر آپ نے اُن سے خوف محسوس کیا اور پہچان گئے کہ یہ انسان معلوم نہیں ہوتے کیونکہ ان کی حالت زاد و مقام والے مہمانوں سے علیحدہ ہے۔"

(الانبیاء ص ۱۲)

اس سلسلہ میں جو خصوصی بات ہے۔ شاید پڑھنے والوں نے اُسکی طرف توجہ ہی نہیں دی کہ اس سے قبل "خدا" بذات خود ابراہام کو نظر آتا ہے اور اُسے اضحاق کی ولادت کی خوشخبری دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اور خداوند نے ابراہام سے کہا کہ "ساری" جو تیری بیوی ہے سو اس کو "ساری" نہ پکارنا۔ اس کا نام "سارہ" ہوگا

اور میں اُسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے
ایک بیٹا بخشوں گا"
(پیدائش ۱۷/ ۱۵-۱۶)

اور اس کے بعد ہی وہ دو فرشتوں کے ساتھ انسانی روپ میں آجاتا ہے اور کھا پی کر پھر اسحاق کی بشارت دیتا ہے۔ کیا آپ کی عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ خدا جو ہمارے عقیدہ کے مطابق بصیر ہے یوں زمین پر بھاگا پھرتا ہے کہ زمینی کاموں کو سر انجام دیتا پھرے۔ وہ خدا جو فقط "ہو جا" کہنے سے اشیائے ارضی کو معرض وجود میں لے آنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یوں سرگرداں ایک بچے کی بشارت دینے اور وراثت کے پیغامات دینے پر مامور ہے۔ اگر یہ سماوی مہمان صرف فرشتے ہی سمجھ لئے جائیں تو پھر اور بھی مضحکہ خیز بات بن جاتی ہے کہ اس سے قبل جو بات خدا خود کہہ چکا ہے اسکی تصدیق کے لئے پھر فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ سدوم اور عمورہ کی تباہی کے سلسلہ میں مصنف نے خداوند تعالےٰ کی قدرت کاملہ کو بالکل ہی مٹھی میں بند کر دیا ہے۔ لکھا ہے:

"پھر خداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور
بڑھ گیا اور اُن کا جرم نہایت سنگین ہو گیا ہے۔ اس
لئے میں اب جا کر دیکھوں گا کہ کیا انہوں نے سراسر
ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے
اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کر لوں گا"

(پیدائش ۱۸/ ۲۰-۲۱)

آیات مندرجہ بالا سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے خداوند تعالےٰ کی وہ

قدرت اور بصارت جو اس کے پاس طوفانِ نوح کے وقت تھی، ختم ہو چکی ہے۔ وہ اتنی بڑی کائنات کو تباہ کرنے کے لئے بذریعہ نوح حکم جاری کرتا ہے۔ لیکن سدوم اور عمورہ کو تباہ کرنے کے لیے خود اس کے سروے کے لئے آجاتا ہے۔ وہ خدا جو آسمانوں پر بھی ہر انسان پر نظر رکھتا ہے۔ سدوم اور عمورہ کے متعلق مشکوک نظر آتا ہے، اور بذریعہ تفتیش اپنی تسلی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ وہاں تک جاتا بھی نہیں۔ بلکہ سدوم میں داخل ہونے والے صرف دو فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ ابراہام کے ہاں کھانا کھانے والا تیسرا مرد جو کہ غالباً خدا تھا، ابراہام سے گفتگو کرنے کے بعد چلا جاتا ہے۔

کیا خدا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟

قصّہ لوطؑ

سدوم اور عمورہ کی تباہی کے بعد جو نیا کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسکو شاید کوئی بھی ذی فہم قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ سدوم کی تباہی کے بعد لوط اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ ایک غار میں پناہ لیتا ہے اور دونوں بیٹیاں باپ کو مے پلا کر اس سے ہم آغوش ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں

اور اُس سے ہم آغوش ہوں۔ تاکہ اپنے باپ سے نسل
باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اُسی رات اپنے باپ کو
مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے
ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور
کب اٹھ گئی۔ (پیدائش ۲۰/۳۱-۳۳)

اسی طرح دوسری لڑکی بھی دوسری رات اپنے باپ کے پاس جاتی ہے اور دونوں ہی حاملہ قرار پاتی ہیں۔ بڑی کے ہاں موآب اور چھوٹی کے ہاں عمون پیدا ہوتا ہے جو کہ بالترتیب موآبیوں اور عمونیوں کے باپ ہیں۔ اس فعل ناروا کے متعلق لڑکیوں کی دلیل کہ "زمین پر کوئی مرد نہیں" اس قصہ کو ابراہام کی وجہ سے غیر مؤثر کر دیتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ کوشش کرتیں تو باپ کو نے کر ابراہام کے پاس جا سکتی تھیں ــــ اس سلسلے میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے زندہ رہنے کے لئے خوراک اور پلانے کے لئے مے کہاں سے حاصل کی تھی۔ کیونکہ اس دور میں شراب موجودہ دور کی طرح بوتلوں میں نہیں بلکہ مٹکوں اور مرتبانوں میں محفوظ کی جاتی تھی اور سلادم سے نکلتے وقت ان کی یہ پوزیشن نہ تھی کہ وہ مے کے مٹکے اٹھاتے پھرتے۔

علاوہ ازیں بائیبل کی اپنی دلیل ہے جس سے اس علاقہ میں کوئی چیز حاصل کرنا ناممکن تھا۔ لکھا ہے:

"تب خداوند نے اپنی طرف سے سلادم اور عمورہ پر
گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے
ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ

جو زمین سے اُگا تھا غارت کر دیا" (پیدائش $\frac{19}{24-25}$)

لڑکیوں کا اپنے باپ سے ہم آغوش ہونا، اور اس کو اس بات کا علم نہ ہونا۔ جنسی کارکردگی کی تھیوری کے سراسر خلاف ہے کیونکہ نشے کی حالت اگر بے ہوشی تک پہنچ گئی ہو تو اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں اور انسان یہ فعل نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ بے ہوش نہیں صرف نشہ کی حالت میں ہے تو اسکو مفعول کی پوری پوری پہچان ہو گی۔ ہمارے مشاہدے میں بلانوش قسم کے لوگ آئے ہیں لیکن مگر یہ وہ ماں۔ بہن اور بیوی میں تمیز کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

اس داستان سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اسرائیلی کاہنوں نے موابی اور عمونی نسلوں کو ذلیل کرنے کے لئے بطور سند اس مجموعہ میں داخل کر دی ہیں۔

اسمٰعیل

ہاجرہ اور اسماعیل کی ابراہام سے روانگی سے قبل مصنف اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہے کہ اسماعیل کے ختنہ کے وقت اسکی عمر تیرہ سال تھی۔ اُس کے بعد اضحاق کی بشارت ہوتی ہے اور ایک سال کے بعد اضحاق پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اور اسکے بعد اسماعیل کو معہ اسکی والدہ کے وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ گویا کہ بائبل کے مطابق ہاجرہ اور اسماعیل کی ہجرت کے وقت اسماعیل کی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال کی تھی، اور یہ عمر ہر لحاظ سے باشعور ہوتی ہے بیسویں صدی کے قارئین اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ آج کے تنگ د

تاریک ماحول۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کے دھوئیں سے مخلوط فضا اور نخالص غذا کھانے والے بچے پندرہ سولہ سال کی عمر میں کسقدر صحت مند اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کے مقابلہ میں اسماعیل کو صاف ستھری ہوا اور خالص دودھ، مکھن اور تازہ گوشت میسر تھا۔ کسقدر قوی الجثہ اور صحت مند ہوگا۔ لیکن بیرسبع کا اسماعیل، تحریر میں بالکل بچہ دکھائی دیتا ہے۔ لکھا ہے:

"اور جب مشک کا پانی ختم ہوگیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اُسکے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دُور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں۔ سو وہ اُس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا کر رونے لگی، اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا، اور اُس سے کہا: اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سُن لی ہے اُٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اُس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش ۲۱/۱۵-۱۸)

اس اقتباس کے الفاظ "ہاتھ سے سنبھال" کو انگریزی ترجمہ میں اور بھی وضاحت سے لکھا ہے اور ان الفاظ کی بجائے "ہاتھ میں اٹھا" لکھا ہوا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب اسماعیل کو معہ اُس کی والدہ کے نکالا گیا تھا تو اس وقت وہ بچہ تھا۔ آیات مندرجہ بالا کی روشنی میں

پھر وہ واقعہ کس طرح قابلِ قبول ہوگا جہاں اسحاق کے دودھ چھڑانے پہ اسماعیل ٹھٹھے مارتا تھا۔

اگر ہم آیات مندرجہ بالا کو بنظرِ غائر پڑھ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہاں ایک بچے کا ہی ذکر ہے تو پھر ہمیں ان مواخذ سے اتفاق کرنا پڑے گا جو کہ اسلامی روایات اور تحقیقات سے ہم تک پہنچے ہیں

ذبیح اللہ

علمِ آثارِ قدیمہ سے ان عبادتوں میں انسانی قربانیوں کی قدامت پہ روشنی پڑتی ہے جو کہ سامیوں کے زمانہ میں دجلہ اور فرات کی وادی میں رائج تھیں۔ شہر اُور کی زمین کے نیچے سے نکالے ہوئے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قربانی کا رواج خصوصاً سلاطین کی عبادت میں بہت پرانا ہے۔ یہاں تک کہ کسی بادشاہ کی وفات پر اُس کے اُمرا و وزرا بھی اُس کے ساتھ اس اُمید پہ دفن کر دیئے جاتے تھے کہ وہ آسمان میں اپنے دیوتا بادشاہ کے ساتھ اُن ہی عہدوں پر فائز رہیں گے اور اہلِ ہنود کی رسم ستی غالباً اسی عقیدے کی ایک کڑی تھی — اور یہ عقیدہ اہلِ بابل کے کسی معاشرتی سلجھاؤ کا باعث نہیں بلکہ روحانی امید کا مظہر تھا جو کہ وہ اپنے دیوتاؤں سے وابستہ کرتے تھے گویا کہ یہ قربانیاں وہ اپنے خداؤں کو خوش کرنے کے لیئے دیا کرتے تھے۔

لیکن ہمارا خدا جس کے متعلق ہم مانتے ہیں کہ وہ آسمان اور زمین اور ساری کائنات کا خالق ہے ایسی قربانی کا خواہشمند نہیں ہے

کیونکہ انسان کو اُس نے اپنی شبیہہ اور صُورت پر پیدا کیا ہے اسی لئے اِس ذات خاکی کی قدر و منزلت اس کے ہاں بہت ز ہے۔ اولادِ آدم نے جب پہلی دفعہ اُس کے حضور قربانی گزارنی تو اس میں پھل اور بھیڑ بکریوں کے پہلوٹھے شامل تھے۔ اس ۔ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک انسانی قربانی کی کوئی شریعت ضابطہ نہیں ہے اور ابراہام اس سے خوب واقف تھا۔ لہٰذا جب اُس کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بیٹے کی قربانی کا حکم ہُوا تو یقیناً ا کے لئے حیرت کی بات ہوگی۔ لیکن ابراہام کی زندگی میں یہ واقعہ ا کی عظمت اور بزرگی کا آئینہ دار ہے۔

اکثر لوگوں کی رائے میں اس قربانی کا بالواسطہ تعلق خدا سے نہ بلکہ گرد و نواح کی اقوام کی نقل تھی۔ کیونکہ وہ اپنے بچوں کو بُتوں ۔ آگے قربان کیا کرتے تھے۔ لیکن بائبل کی رُو سے یہ کوئی مدلل بات نہیں۔ یہ اسی صورت میں قابلِ قبول تھا جبکہ ابراہام کے لئے قربانی یہ پہلا موقع ہوتا۔ لیکن اس سے قبل اس نے خداوند تعالےٰ کے حضور جانوروں کی قربانی گزاری تھی۔ ملاحظہ ہو:

اس نے اس سے کہا کہ میرے لئے تین برس کی ایک بچھیا اور تین برس کی ایک بکری اور تین برس کا ایک مینڈھا اور ایک قمری اور ایک کبوتر کا بچہ لے لے۔ اس نے ان سبھوں کو لیا اور ان کو بیچ سے دو ٹکڑے کیا اور ہر ٹکڑے کو اس کے ساتھ کے دوسرے ٹکڑے کے مقابل رکھا۔ مگر پرندوں کے

ٹکڑے نہ کئے (پیدائش ۱۵/ ۹-۱۰)

اور جب سورج ڈوبا، اور اندھیرا چھا گیا تو ایک تنور جس میں سے دھواں اٹھتا تھا - اور ایک جلتی مشعل ان ٹکڑوں کے بیچ سے ہو کر گزری۔

(پیدائش ۱۵/ ۱۷)

لہذا یہ کہنا کہ اس نے غیر اقوام کی نقل کی حقائق کے بالکل ہی خلاف ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بیٹے کی قربانی کا اظہار خداوند کی طرف سے تھا۔

لیکن اس سلسلہ میں جو مسئلہ صدیوں سے زیر بحث ہے۔ وہ اس ذبیحہ کا ہے جو قربان گاہ پر رکھا گیا۔ اسرائیلی اور مسیحی مواخذ اس کے متعلق اضحاق اور اسلامی ماخذ اسمٰعیل کا نام لیتے ہیں لیکن آجتک ان تینوں قوموں کے درمیان یہ مسئلہ تصفیہ طلب ہے۔ حالانکہ اس کی باریکی میں جانے سے سارا کریڈٹ ابراہام کو ملتا ہے۔ کیونکہ اس قربانی کے سلسلہ میں آزمائش یا امتحان صرف ابراہام کا مقصود تھا۔ اضحاق یا اسمٰعیل کا نہیں کیونکہ قربانی میں ثواب کا حقدار دینے والا ہے نہ کہ قربان ہونے والا۔ لیکن بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے درمیان جھگڑا صرف عزت اور فوقیت کا ہے۔ کہ ان کے آبا و اجداد میں سے کس کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وہ راہِ خدا میں قربان ہونے کے لئے چنا گیا اور اس کیلئے دونوں فریق مواخذ کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

(۱)

جہاں تک بائیبل کے ماخذوں کا تعلق ہے، اس میں خداوند تعالےٰ کے ایک بہت بڑے اور ابتدائی اصول کو چیلنج ہے۔ اور خدا کے متعلق اہل ایمان کی یہ رائے ہے کہ وہ اپنے اصولوں میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو پسند نہیں فرماتا۔ لہذا قربانی کے متعلق اس کا اصول یہ تھا کہ وہ پہلوٹھوں کی قربانی کے حق میں تھا — جسطرح کہ قائن اور ہابل کے نذرانوں کے متعلق لکھا ہے:

"چند روز کے بعد یوں ہُوا کہ قائن اپنے کھیت کے
پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا، اور ہابل بھی
اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور
کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل
کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا۔"

(پیدائش $\frac{4}{3-4}$)

اور پھر موسوی شریعت میں تو اس کو خداوند تعالےٰ نے بہت ہی اہمیت دی ہے اور پہلوٹھوں کے فدیہ کے حق میں لکھا ہے:

"تو پہلوٹھی کے بچوں کو اور جانوروں کے پہلوٹھوں
کو خداوند کے لئے الگ کر دینا" (خروج $\frac{13}{12}$)

جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ پہلوٹھوں کو نہایت ہی عقیدت کی نظر سے دیکھتا ہے اور صرف ان ہی کو اپنے لئے الگ کرتا ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ کے اس اصول کی روشنی میں ذبیحہ کا

بلا تعصب فیصلہ کریں تو اس عظیم قربانی کا حقدار صرف اسمٰعیل ہی ٹھہرتا ہے کیونکہ وہ ابراہام کی قوت کا پہلا پھل تھا۔

(۲)

سطورِ بالا میں پہلو بٹے کی سند کے لئے ہم ہابل کی قربانی سے موسیٰ کی معرفت دی گئی شریعت۔ پر اس یقین کے ساتھ آگئے ہیں کہ خداوند تعالےٰ نے جو احکامات موسیٰ کو دیئے تھے۔ وہ اس سے قبل بھی اپنے برگزیدوں کو دیئے ہوں گے جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ بائبل کی تحریر مختلف مواخذ کی مرہون منت ہے۔ تو تاریخی اعتبار سے یہ اَور بھی سند ہو جاتی ہے جبکہ اسکے علاوہ ہم "سلیمان" (جس کو خداوند تعالےٰ نے دانائی اور حکمت سے نوازا تھا، فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ واعظ کی کتاب میں مرقوم ہے:

"جو ہوا وہی پھر ہوگا، اور جو چیز بن چکی ہے وہی ہے جو بنائی جائے گی اور دنیا میں کوئی چیز نئی نہیں۔ کیا کوئی چیز ایسی ہے۔ جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ تو نئی ہے۔ وہ تو سابق میں ہم سے پیشتر کے زمانوں میں موجود تھی۔ اگلوں کی کوئی یادگار نہیں، اور آنے والوں کی اپنے بعد کے لوگوں کے درمیان کوئی یاد نہ ہوگی"۔ (واعظ $\frac{1}{11-9}$)

ان آیات کی حکمت مصنف کی گہری تحقیق پر مبنی ہے لہذا

اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ شریعت موسوی کسی نہ کسی انداز میں اس سے قبل موجود تھی - لہذا پہلوٹھوں کی غرض و غایت جو عہد موسوی میں مقصود تھی وہ اس سے پہلے بھی ضرور ہوگی -

(۳)

دورانِ تحقیق ہم اس علاقائی پس منظر کو نظر انداز نہیں کرتے جہاں یہ واقعہ عظیم رونما ہوا تھا اور اس میں دو مقامات خصوصی کے مستحق ہیں :

۱- موریا کا ملک

۲- بیر سبع

جہاں تک موریا کا تعلق ہے، اس کی تصدیق دوسری تواریخ کے تیسرے باب میں ہو جاتی ہے - ملاحظہ ہو :

"اور سلیمان یروشلم میں کوہِ موریا پر جہاں اس کے باپ داؤد نے رویت دیکھی اسی جگہ جسے داؤد نے تیاری کر کے مقرر کیا - یعنی ارنان یبوسی کے کھلیان میں خداوند کا گھر بنانے لگا۔"

(۲- تواریخ ۳/۱)

گویا کہ یروشلم اسی جگہ آباد ہے جہاں پر پہلی قربان گاہ منتخب ہوئی تھی — جبکہ بیر سبع فاران کا علاقہ ہے، اور اس نام سے موسوم ہونے سے پہلے فاران کا بیابان پکارا جاتا تھا - جیسا کہ لکھا ہے :

"اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہُوا
اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا ،
اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس
کی ماں نے ملکِ مصر سے اس کے لئے بیوی
لی ۔" (پیدائش $\frac{21}{21\text{-}20}$)

لیکن بیر سبع دراصل اس کنوئیں کا نام ہے جو کہ ابی ملک ، اور ابراہام کے درمیان وجۂ تنازعہ تھا اور یہ نام تصفیہ کے وقت رکھا گیا - یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے - جس کے معنی " قسم کا کنواں" کے ہیں -

طرزِ تحریر کے لحاظ سے اس واقعہ کا ذکر ابی ملک کے سارہ کو بلانے کے بعد درست تھا - کیونکہ ہاجرہ کی ہجرت کے بعد اس کا لکھنا اس واقعہ کے منافی ہے جہاں لکھا ہے کہ :

" وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان
میں آوارہ پھرنے لگی ۔"

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جگہ کا نام تو بعد میں رکھا جاتا ہے ، اور ذکر پہلے ہی آجاتا ہے - اگر یہ واقعہ اپنے اصل مقام پر جیسے کہ ہم اُوپر عرض کر چکے ہیں ، تحریر کیا جاتا تو واقعات کا تسلسل اور خوبصورت نظر آنے لگتا -

بیرسبع کے تذکرے سے ہم اپنے قارئین کو جس بات کیطرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں ، وہ ابراہام کا قربانی کے بعد بیرسبع کو جانا ہے ۔ لکھا ہے :

تب ابراہام اپنے جوانوں کے پاس لوٹ گیا اور وہ
اُٹھے اور اکٹھے بیر سبع کو گئے اور ابراہام بیر سبع
میں رہا۔ (پیدائش ۲۲/۱۹)

اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں ہاجرہ اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ سکونت پذیر تھی، اور اس کا اس جگہ واپس آنا اور ٹھہرنا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ بچہ یقیناً ہاجرہ کا تھا۔

(۴)

اسماعیل کے ذبیحہ ہونے کے خلاف شاید اسرائیلی اور مسیحی مواخذ اعتراض کریں کہ وہ "سارہ" کی لونڈی ہاجرہ کا بیٹا تھا۔ لیکن اس کے لئے ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ نسل سے عورت کا نہیں بلکہ مرد کا تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے باپ کی کہلاتی ہے۔

اگر عورت اس سلسلہ میں واقعی پسماندہ ہے تو موآبی روت کا بیٹا کس طرح اس نسب نامے کا رکن بن سکتا ہے۔ جس سے ایک نجات دہندہ یعنی "المسیح" پیدا ہوا۔ اور حتی اور یاہ کی بیوی بت سبع کا بیٹا کس طرح خدا کے گھر کی تعمیر کا فرض سر انجام دے سکتا ہے۔ وہ گھر جس کی تعمیر سے داؤد کو منع کیا گیا تھا۔

نسلِ سابق میں اگر کوئی پہلوٹھا برکات سے تہی دامن رہا تو اسکی وجہ اس کی برگشتگی تھی لیکن اسماعیل تو اس معاملہ میں بھی پاک تھا۔ وہ نہ تو خدا کے حضور مجرم تھا اور نہ ہی اپنے باپ کے ہاں قصوروار اسکی علیحدگی کا سبب تو صرف اسکی ماں تھی۔

تضادات

مصنف پیدائش کی کتاب کے سترہ باب میں سارہ کی عمر نوّے سال لکھتا ہے۔ لیکن اسی کتاب کے بیسویں باب میں وہ مصر کی طرح کا ایک اور واقعہ زیرِ تحریر لاتا ہے۔ جو کہ ابی ملک کی سارہ کے متعلق بدنیتی پر مبنی ہے تو عقل یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے کہ ایک بادشاہ نوّے سال کی بڑھیا پر فریفتہ ہو جائے۔ یہ واقعہ غالباً سارہ کی جوانی کے وقت کا ہے، اور اس دَور کے قریب ہے جب ابراہام مصر کی طرف گیا تھا۔ لیکن مصنف نے اس کو جس جگہ ترتیب دیا ہے۔ اس سے کتاب کی ادبی پوزیشن بہت متاثر ہوتی ہے اور خواہ مخواہ کتاب کی ترتیب اور تقدیس مشکوک ہو جاتے ہیں۔

(۲)

اکیسویں باب میں ہاجرہ اور اسماعیل کا واقعہ پہلے حصہ میں درج ہے اور لکھا ہے:

"سو وہ چلی گئی اور بیر سبع کے بیابان میں
آوارہ پھرنے لگی"

لیکن اس باب کے دوسرے حصہ میں جب ابی ملک اور ابراہام کے درمیان ایک کنوئیں کا تصفیہ ہوتا ہے تو ابراہام اس مقام کا نام بیر سبع رکھتا ہے جیسے لکھا ہے:

اسی لئے اُس نے اُس مقام کا نام بیرسبع رکھا کیونکہ
وہیں ان دونوں نے قسم کھائی ؟
لہذا ادبی ترتیب کے لحاظ سے نام رکھنے کا واقعہ پہلے درج ہونا چاہئے
تھا۔ جبکہ اسی نام سے منسوب واقعات بعد میں لکھے جانے چاہئے۔

اضحاق

اضحاق کے مختصر حالات میں جہاں تحریری تضاد کو مٹانے کی کوشش
نہیں کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت کو بھی ملحوظ خاطر نہ
رکھا گیا ہے۔ بائبل کے اوراق اس کو وعدے کا فرزند۔ خداوند
مخصوص عطیہ اور مقدس ذبیحہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اُسکے حالا
زندگی تحریر کرتے وقت اس کو خداوند تعالےٰ سے بالکل علیحدہ
روح القدس کی رفاقت سے بالکل مبرّا قرار دیا ہے اور واقعات
کے تانے بانے سے اس بات پر زور نہیں دیا کہ وہ خداوند تعالیٰ
برگزیدہ اور نبی تھا۔ اضحاق پیری سالی میں آنکھوں کی بینائی ماند پڑ جا
کی وجہ سے اپنے بیٹے سے دھوکا کھا جاتا ہے اور عیسو کی بجا
یعقوب کو برکت سے نوازتا ہے۔

اگر اضحاق کی دی ہوئی برکت اس کی اولاد پر اثر پذیر ہو سکتی
تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا خداوند تعالیٰ سے اندرونی طور پر ایک گہرا
تھا اور جب ہم اس کے ربط کو قابل یقین سمجھتے ہیں تو پھر یہ بات
مضحکہ خیز سی ہو جاتی ہے کہ روح القدس سے معمور برگزیدہ اور را
نبی اپنے بیٹے سے چکر کھا جاتا ہے۔ نبی تو ایک ایسی ہستی ہوتا ہے

کا باطن روشن اور روحانی آنکھیں پُرنور ہوتی ہیں۔

لیکن ان حالات کے پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کسی قبیلہ کے سردار کی کہانی پڑھ رہے ہیں اور یہ خاندان خدا کا برگزیدہ، اور اہلِ نبوت نظر نہیں آتا، کیونکہ مصنف نے اضحاق پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ربقہ کو بھی اس سازش میں شامل کر دیا ہے۔

بائبل کے مصنف کی یہ داستان کہاں تک درست ہے۔ یہ تو وقتِ حاضرہ کی تحقیقات اور مطالعہ ثابت کر دے گا۔ لیکن جو کچھ ہمارے سامنے ہے، اس سے اضحاق ایک عام آدمی نظر آتا ہے۔ بلکہ عام فہم انسان سے بھی کچھ کمتر نظر آتا ہے۔

یعقوب

داستان یعقوب کے متعلق مسیحی علمار بذریعہ الہام زیرِ تحریر آنے پر یقین نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک آپ بیتی ہے۔ علما اس کے مکر و فریب کو بھی قابلِ تعریف نہیں ٹھہراتے بلکہ اس کی جلاوطنی کو اس کے مکر و فریب کی سزا قرار دیتے ہیں۔ داستان کے متن کی رُو سے علما کا نظریہ سو فیصدی درست ہے۔ مصنف نے یعقوب کی زندگی کو جس طریقہ سے بیان کیا ہے۔ اس سے یعقوب کا راستباز اور نبی ہونا مشکوک نظر آتا ہے۔ جبکہ اہلِ ایمان اسے خدا کا نبی مانتے ہیں۔ علمائے دین یعقوب کی زندگی کی کہانی کو تائب گنہگار کے لئے ایک حوصلہ افزا مثال قرار دیتے ہیں اور اس نظریہ سے اسکی نسلی پاکیزگی اور وہ وعدے لا حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو کہ اس خاندان سے وابستہ تھے

بلکہ ایک عام خدا پرست کا سا مقام پیدا ہو جاتا ہے۔

مصنف نے جس طرح اس سے پہلی داستان میں خداوند تعالےٰ کی لامحدودیت کو محدود کرنے کی کوشش کی تھی اس کو اس داستان میں بھی نظر انداز نہیں کیا۔

اور یعقوب بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف چلا اور ایک جگہ پہنچ کر ساری رات وہیں رہا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اس نے اس جگہ کے پتھروں میں سے ایک اٹھا کر اپنے سرہانے دھر لیا اور اسی جگہ سونے کو لیٹ گیا اور خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک سیڑھی زمین پر کھڑی ہے اور اس کا دوسرا سرا آسمان تک پہنچا ہے اور خدا کے فرشتے اس پر سے چڑھتے اترتے ہیں۔ اور خداوند اس کے اوپر کھڑا کہہ رہا ہے۔ کہ میں خداوند تیرے باپ ابراہام کا خدا اور ابراہام کا خدا ہوں۔ میں یہ زمین جس پر تو لیٹا ہے، تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔"

(پیدائش باب ۲۸)

۱۔ کیا معتقدین اور محققین اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ وہ خدا جو یعقوب کو اوپر کھڑا کہہ رہا تھا، اس کی شکل و صورت کیسی تھی؟

۲۔ کیا خدا کے فرشتے سیڑھی کی مدد کے بغیر آسمان سے نیچے اور اوپر نہیں جا سکتے ہیں؟ کیونکہ خدا اور فرشتوں کے متعلق ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں کہ وہ "روح" ہیں۔

یہوداہ

یعقوب کے صلب سے پیدا ہونے والا یہوداہ جس کی مسیح کیساتھ خصوصی نسبت پائی جاتی ہے۔ بائبل کے مصنف کے نزدیک ایک شہوت پرست انسان تھا جو کہ بڑھاپے میں بھی طوائفوں کا دلدادہ نظر آتا ہے اور اپنی شہوت سے مغلوب ہوکر اپنی بہو تمر سے زنا کرتا ہے —

ملاحظہ ہو :-

اور ایک عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ سوع کی بیٹی جو یہوداہ کی بیوی تھی ، مرگئی اور جب یہوداہ کو اُسکا غم بھولا تو وہ اپنے عدلامی دوست حیرہ کے ساتھ اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے والوں کے پاس تمنت کو گیا اور تمر کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کے لئے تمنت کو جا رہا ہے تب اُس نے اپنے رنڈاپے کے کپڑوں کو اُتار پھینکا اور بُرقع اوڑھا اور اپنے آپ کو ڈھانکا اور عینیم کے پھاٹک کے برابر جو تمنت کی راہ پر ہے جا بیٹھی۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ سیلہ بالغ ہو گیا۔ مگر یہ اُس سے بیاہی نہیں گئی۔ یہوداہ اُسے دیکھ کر سمجھا۔ کہ کوئی کسبی ہے کیونکہ اس نے اپنا منہ ڈھانک رکھا تھا سو وہ راستہ سے اس کی طرف کو پھرا اور اس سے کہنے لگا کہ ذرا مجھے اپنے ساتھ

مباشرت کر لینے دے کیونکہ اُسے بالکل
معلوم نہ تھا کہ وہ اسکی بہو ہے۔ اس نے کہا:
تو مجھے کیا دے گا تاکہ میرے ساتھ مباشرت
کرے۔" (پیدائش ۳۸ ‏‏- ۱۶-۱۲)

اس داستان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامری تاریخ کے اوراق سے ماخوذ ہے کیونکہ اگر اس کا مصنف یہودی النسل ہوتا تو وہ اتنا بے غیرت نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنے باپ دادوں کے چھپے ہوئے گناہوں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے ساری دنیا کے سامنے اپنی بے عزتی کے اسباب بہم پہنچاتا۔

مصنف نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ یہوداہ اور تمر کے اس گھناؤنے فعل پر داستان ختم کر دے بلکہ وہ تمر کو حاملہ قرار دیتا ہے اور جب یہوداہ کو اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ اسکی بہو نے زنا کیا ہے۔ وہ سیخ پا ہو جاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ وہ باہر لائی جائے تاکہ اسے جلا دیا جائے لیکن تمر اس کو باور کراتی ہے کہ صاحب یہ تو سارا معاملہ آپ کی لاابالی طبیعت کا نتیجہ ہے تو یہوداہ اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے۔ لیکن اسکا اعتراف ہمارے سر ندامت سے جھکا دیتا ہے جو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا خداوند اسکی نسل سے ہے اور پھر نسل بھی اسکی شرعی بیویوں کی نہیں بلکہ اس کی بہو کی ہے۔ جس نے زناکاری کر کے اپنے خسر کے خون سے دو بچے یعنی فارص اور زارح کو جنم دیا تھا۔ آپ متی کی انجیل میں دیکھیں تو مسیح کے آباؤ اجداد میں فارص کا نام بڑی کلیدی حیثیت سے آ

کو کھا ہوا نظر آئے گا:

اس فارص کا نام جس کی ماں نے انتقام لینے کی خاطر طوائف کا روپ دھارا۔

۲۔ اس فارص کا نام جس کی ماں اپنے خسر سے اخلاقی مذاکرات کرنے کی بجائے زناکاری پر اتر آئی۔

۳۔ اس فارص کا نام جو انسانی اصولوں کے منفی پہلو کی پیداوار تھا۔

۴۔ اس فارص کا نام جو یہوداہ کی شہوت پرستی کا پھل تھا!

اور جب ہم اسکی نسبت مسیح کے ساتھ ملاتے ہیں تو ذہن کو ایک دلچسپ سا لگتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یہ واقعہ شاید اپنے اندر حقیقت کو چھپائے ہوئے ہو لیکن سلسلہ تعلیمات میں ہم بائبل کی تقدیس پر ایسے واقعات کی روشنی میں ضرور جھینپ جاتے ہیں۔ خدا کا کلام ایک ایسی عالمگیر تحریر ہوتی ہے جو باپ۔ بیٹا۔ بیٹی۔ ماں سب اکٹھے بیٹھ کر مطالعہ کرنے کے حقدار ہوتے ہیں لیکن ایسے واقعات جو یہوداہ اور لوط کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں۔ اس ایڈوانس دور میں بھی ایک بیٹی اپنے باپ یا بھائی کے سامنے بیٹھ کر باآوازِ بلند مطالعہ نہیں کر سکتی۔ ہم خود حقیقت نگاری کے داعی ہیں۔ لیکن ایسی حقیقتوں کے قائل نہیں جو ایک باپ کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی جنسی روداد سنائے۔ یا ایک ماں اپنے بیٹے کو وہ تمام حالات بتائے جو میاں بیوی کے درمیان محض نجی حیثیت میں مقید ہیں۔ کیونکہ کارخانۂ عالم میں ہر بچہ جب بلوغت کو پہنچتی ہے تو وہ لاشعوری طور پر ان تمام لوازمات کو محسوس کرنے لگتی ہے جو کہ اس

دور کا تقاضا ہو۔

ذرا انصاف سے بتایئے کہ یہوداہ کا یہ قصہ بہورانیوں کے لئے کونسا اخلاقی پہلو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے اور ان بزرگوں کے لئے کیا فخر ہے جن کے گھروں میں جوان بیٹیاں ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ لوط کا قصہ بھی اُن تمام اخلاقی قدروں سے مبرّا ہے جو خداوند تعالیٰ ہم سے توقع کرتا ہے۔ اگر ان واقعات کو احاطہ تحریر میں لانا ضروری تھا۔ تو پھر اس کے لئے ایک دوسری کتاب کا انتخاب کیا جاسکتا تھا جو کہ محض ایک تاریخ یا سوانح حیات پر مبنی ہوتی۔ کیونکہ جب ہم اس کو کتاب مقدس کہتے ہیں تو اس میں تقدیس کے تمام اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی لازم تھا اور اس طریق سے یہ کتاب بڑی آسانی سے دو حصوں میں منقسم ہوسکتی تھی۔ ایک حصہ وہ ہوتا جسکا تعلق صرف باشعور لوگوں سے ہوتا جو کسی واقعہ کو پڑھ کر اس پر سوچتے اور اس سے کوئی منفی ردِ عمل قبول نہ کرتے۔ جبکہ دوسرا حصہ ان لوگوں کے لئے ہوتا جو کہ کم عمری اور ناپختگی کی وجہ سے بگڑ سکتے تھے اور ان کے لئے صرف ایسی باتیں زیر تحریر لائی جاتیں جنکا ردِ عمل صرف مثبت ہوتا۔ ہمارے خیال میں اس طرح ذہنوں کی مذہبی نقطہ نگاہ سے بڑی اچھی نشو ونما ہوسکتی تھی۔ جیسے اہلِ اسلام قرآن اور حدیث کو دو مختلف جلدوں میں اپنے ہاں رکھتے ہیں۔ قرآن صرف مثبت طریقہ تعلیم اور فرمان خداوندی پر مبنی ہے اور اس کے پڑھنے سے صرف ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے تاریخی پہلوؤں پر قیاس آرائیوں کی نوبت نہیں آتی۔ لیکن حدیث ان تمام واقعات کا مجموعہ ہے جو کہ راویوں اور مفسروں کے

ذریعہ سے زیر تحریر آئے ہیں - ان پر بحث بھی کی جا سکتی ہے ، اور اس امر کا فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے - کہ فلاں حدیث کہاں تک حقیقت کے نزدیک ہے اور فلاں کہاں تک ضعیف ہے - اگر بائبل کو بھی اس طرح سے دو حصوں میں منقسم کیا جاتا تو ایسے واقعات صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں آتے جو اس کی حقیقت پر روشنی ڈال سکتے اور کچے ذہن گمراہی کی دلدل میں گرنے سے بچ سکتے تھے -

برکات

بائبل کی تحریر کے مطابق یعقوب کی برکات اسکے بیٹوں کے مستقبل سے وابستہ ہیں - جیساکہ مرقوم ہے :

"اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا
کہ تم سب جمع ہو جاؤ - تاکہ میں تم کو بتاؤں
کہ آخری دنوں میں تم پر کیا کیا گزرے گا۔"

آیات بالا میں ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ یعقوب اپنے بیٹوں کو ان کے مستقبل کے متعلق بتا سکتا تھا یا نہیں لیکن ہم پڑھنے والوں سے یہ سوال ضرور کریں گے کہ یوسف کی گمشدگی کے متعلق یعقوب کو یہ علم کیوں نہیں تھا کہ وہ بھائیوں کی سازش کے تحت اسماعیلی سوداگروں کے ہاتھ بیچ دیا گیا ہے اور ترقی کرتے کرتے مصر کی وسیع و عریض سلطنت کا وزیر اعظم بن گیا ہے - وہ یعقوب جو بارہ بیٹوں کو مستقبل قریب کی خبریں دے سکتا ہے اپنے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بینائی کیوں کھو بیٹھا تھا ؟ اس سے یہ ثابت ہوتا

ہے کہ خداوند تعالیٰ کے برگزیدوں کو اُن بھیدوں کا علم نہیں ہوتا جنکو اس کی ذاتِ اعلیٰ صفات مستقبل کے پردوں میں مضمر کئے ہوئے ہے۔

لہذا آیئے برکات کا تجزیہ کریں اور اس بات پر سوچیں کہ یہ کلمات واقعی ان کے مستقبل سے وابستہ تھے یا محض رسمی دُعائیں جو کہ اکثر والدین اپنے بچوں کو دیتے ہیں۔ یا ان الفاظ کا تعلق تشبیہ لاڈ پیار سے تھا اور اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے یہوداہ کے متعلق پیشینگوئی کو زیرِ بحث لائیں گے کیونکہ وہ مسیح یسوع ہمارے نجات دہندہ کا جدِّ امجد اور سلسلہ نسب کا ایک اہم رُکن ہے۔

یہوداہ کے بیٹے یعقوب نے جو الفاظ استعمال کئے وہ بائبل کی زبان میں کچھ یوں ہیں:

"اے یہوداہ تیرے بھائی تیری مدح کریں گے تیرا ہاتھ تیرے دشمنوں کی گردن پر ہوگا۔ تیرے باپ کی اولاد تیرے آگے سرنگوں ہوگی۔ یہوداہ شیرِ ببر کا بچہ ہے اے میرے بیٹے تو شکار مار کر چل دیا ہے۔ وہ شیر ببر بلکہ شیرنی کیطرح دبک کر بیٹھ گیا۔ کون اُسے چھیڑے؟ یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اسکی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جبتک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔ وہ اپنا جوان گدھا انگور کے درخت سے اور اپنی گدھی کا بچہ اعلیٰ درجہ کے انگور کے درخت سے باندھا

کرے گا۔ وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک
آبِ انگور میں دھویا کرے گا۔ اس کی آنکھیں مئے
کے سبب سے لال اور اس کے دانت دودھ کیوجہ
سے سفید رہا کریں گے"!

اِن آیات میں یہوداہ اور اس کی نسل کو طاقت وَر اور صاحبِ اقتدار قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ واقعات اور حالات اس پیشین گوئی کے سراسر مخالف اور متضاد ہیں۔

یعقوب کی موت کے بعد اس کے بیٹے مکمل طور پر مصر میں ہی آباد ہو گئے لیکن وہاں پر ان کو کوئی حکومت یا سرداری نصیب نہ ہوئی۔ یوسف تو اس سے قبل بھی وزیر اعظم کے عہدے پر فائز تھا۔ لیکن یہوداہ کی نسل غلامی کی زنجیروں میں بندھی ہوئی فرعون کے لئے بیگار دینے والوں کے فرائض انجام دیتی رہی، اور یہ سلسلہ چار صد تیس (۴۳۰) برس سے چلا آ رہا تھا۔ اس عرصہ میں نہ تو بنی یہوداہ نے بڑھ کر فرعون کی سلطنت پر قبضہ کیا اور نہ ہی خود کوئی بغاوت کر کے علیحدہ صوبہ بنایا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ بنی یہوداہ اپنے باپ کی پیشگوئی کے مطابق صاحب سلطنت نہیں تھے اور اُن کے ہاتھ میں عصائے حکمرانی نہیں تھا اس دَور میں نہ ہی اُن کے بھائیوں نے ان کی مدح سرائی کی اور نہ ہی اُن کے آگے سرنگوں ہوئے اور نہ ہی ان کا ہاتھ اپنے دشمنوں کے خلاف اُٹھا۔ حالانکہ فرعونِ وقت کے لحاظ سے اُن کا بد ترین دشمن تھا، اور نہ ہی انھوں نے کوئی ایسی واردات کی، جس سے ان کو شیر ببر کہا جاتا۔ بلکہ حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ

خداوند تعالیٰ جب اس قوم کو فرعون کے ہاتھ سے رہائی دیتا ہے۔ تو ان کا نجات دہندہ لاوی کے قبیلہ سے چن لیتا ہے، اور یہ قبیلہ سلسلہ برکات میں اس قسم کے وعدہ سے بالکل خالی تھا۔ کیونکہ لیڈر شپ کی برکت کا تعلق صرف یہوداہ اور بنی یہوداہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مصر سے خروج کے بعد صحرا نوردی کے دور میں بھی موسیٰ نے بنی یہوداہ کو دوسروں پر کوئی فوقیت نہیں دی۔ اور نہ ہی خداوند تعالیٰ نے کوئی اہمیت دی ہے۔ موسیٰ کو اپنے لئے جب ایک مددگار کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لئے بھی اسی کا بھائی ہارون خداوند تعالیٰ کی نظر میں مقبول ٹھہرا۔ اگر پیشینگوئی کے مطابق بنی یہوداہ کو واقعی حکمرانی ملنی تھی تو کم از کم موسیٰ کے مددگار کے طور پر ہی ان کے قبیلہ کا کوئی آدمی چن لیا جاتا۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا۔

موسیٰ کی وفات کے بعد قیادت یشوع بن نون کے ہاتھ میں آتی ہے۔ لیکن اس کا تعلق بھی افرائیم کے قبیلہ سے ہوتا ہے اور یہ قیادت کسی الیکشن۔ سازش یا بغاوت کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ فرمان خداوندی کے تحت اسکو دی گئی تھی جیسا کہ مرقوم ہے:

"اور خداوند کے بندہ موسیٰ کی وفات کے بعد ایسا ہوا کہ خداوند نے اس کے خادم نون کے بیٹے یشوع سے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ مر گیا ہے سو اب تو اٹھ اور ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر اس یردن کے پار اس ملک میں جا جسے میں ان کو

(بنی اسرائیل) دیتا ہوں؟

بنی اسرائیل میں جب بادشاہت معرضِ وجود میں آتی ہے اُس وقت سیموئیل خداوند کیطرف سے نبی تھا اور وُہ افرائیم کے قبیلہ کا تھا۔ اس کے وسیلہ سے ساؤل جو کہ بنیامین کے قبیلے کا ایک نوجوان تھا، بادشاہ مقرر کیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ سیموئیل کی مرضی یا بنی اسرائیل کے چناؤ کے باعث نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کی مرضی سے ہُوا تھا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ہی ساؤل کی نشان دہی کی تھی۔

داؤد کے تقرر پر سلطنت بنی یہوداہ کے قبیلہ میں آتی ہے لیکن سلیمان کے بعد سلطنت پھر تقسیم ہو جاتی ہے اور خاندان یہوداہ اور دوسرے بنی اسرائیل علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں اور یہوداہ کے بھائی نہ تو اسکے مدح سرا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں جیسا کہ پیشینگوئی کے مطابق ہر صورت میں ہونا امرِ لازم تھا۔ لہذا ہم تاریخ کے طالب علموں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ بائبل کے الفاظ "یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی" اور "نہ ہی اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا" کی روشنی میں یہ مطالعہ کریں کہ یہوداہ سے سلطنت کتنی بار چھوٹی ہے اور اس کی نسل سے حکومت کا عصا کتنی بار موقوف ہُوا ہے۔ کیونکہ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو ان کلماتِ برکات کو محض تشبیہ ثابت کرتے ہیں اور اُن کا مکتبۂ فکر علم الافلاک ہے۔ ہم ان کے نظریات کو ذیل کی سطور میں قلمبند کر کے آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُنکے دلائل صاحبانِ عقل و فہم کے نزدیک زیادہ مدلل اور مؤثر ہوں۔

علم الافلاک

اس علم کی بیشمار کتابوں کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد "ایرک بروس" نے ایک کتاب مرتب کی ہے ۔ جس میں وہ قبائل کے اسما میں سے ہر اسم کے اور آسمانی برجوں میں سے ہر برج کے درمیان ایک مناسبت بتاتا ہے ۔ چنانچہ وہ روبن کے متعلق کہتا ہے کہ اس کی مناسبت برج "دلو" سے ہے ۔ اور منطقۃ البروج میں اس برج کی شکل ایک ایسے شخص کی ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے اور ایک ہاتھ میں اسکے اوندھا پیالہ ہے تاکہ اس سے پانی بہادے ۔ یعنی روبن میں صنعت تجنیس ہے ۔ اسی لئے اس کے باپ نے کہا کہ "تو پانی کی طرح بے ثبات ہے اس لئے تجھے فضیلت نہیں ملے گی ۔ کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا ۔ تو نے اس کو نجس کیا ۔ روبن میرے بچھونے پر چڑھ گیا" ـــــ گویا کہ یعقوب نے اسکے مستقبل کو ایک غیب دان کی طرح پیش نہیں کیا تھا بلکہ اس کے نیچر کی عکاسی کی تھی ۔

شمعون اور لاوی دو بھائی ہیں ۔ یہ طالع جڑواں برج کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ لڑائی کے معبود کا برج ہے اور بابلیوں کے نزدیک تیر انداز ہے ۔ یہ دو جڑواں بچوں کی طرح ہے ۔ جن میں سے ایک کے دونوں ہاتھوں میں خنجر ہے اور دوسرے کے دونوں ہاتھوں میں درانتی کی طرح ایک ہتھیار ہے ۔ یہ اُن الفاظ کیطرف اشارہ ہے جہاں لکھا ہے " کہ ان کی تلواریں ظلم کا ہتھیار ہیں" ۔ اور بیل کی کونچ کاٹنا

برج ثور کیطرف اشارہ ہے۔ جس کے پیچھے آسمان میں برج توام ہے۔ گویا یہ دونوں جڑواں بچے اُسے ہانک رہے ہیں اور بیروں کو زخمی کر رہے ہیں۔

"یہوداہ شیر کا بچہ ہے وہ شیر ببر بلکہ شیرنی کی طرح "۔ سے برج اسد کیطرف اشارہ ہے۔ یہ بابلیوں کے نزدیک دو برج ہیں ۔ ایک برج اسد یعنی ارجول اور دوسرا ارماح ہے جو کہ دُب اکبر کے تاروں میں سے ایک ہے۔

" زبولون سمندر کے کنارے بسے گا"۔ اس سے برج جوت کی طرف اشارہ ہے۔ جو بابلیوں کے نزدیک دو علیحدہ علیحدہ انگلیوں کی شکل پر ہے۔ جن میں سے ایک دجلہ کیطرف اور دوسری فرات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

" اشکار مضبوط گدھا ہے۔ جو دو بھیڑ سالوں کے درمیان بیٹھا ہے" اس سے برج یحمور کی طرف اشارہ ہے اور بحث کرنے والے سرخ رنگ اور اشکار کو متشابہ بتاتے ہیں۔ عربی میں یحمور جنگلی گدھے اور ہرن کو کہتے ہیں۔

دان راستے کا سانپ ہے۔ اس کی جائے وقوع برج عقرب کے شمال میں ہے اور گھوڑے کے عقب کو ڈسنے سے ان شتر مرغوں کیطرف اشارہ ہے جو گھاٹ سے نکل رہے ہوں۔ ان کی شکل سنتاؤر کی سی ہے۔ جسکا جسم گھوڑے کا اور سر انسان کا سا ہے اور اُس کے سر کے آگے اور پیچھے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ جد کے طالع کی بھی تفسیر ہے۔

"آشیر نفیس اناج پیدا کرے گا اور بادشاہوں کے لائق لذیذ اشیا مہیا کرے گا"۔ اس سے برج سرطان کیطرف اشارہ ہے۔ غرضیکہ اسی طرز پر علمائے آثارِ عتیقہ تفسیر کرتے ہیں، اور ایرک بروس کی اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کلمات کا تعلق جو یعقوب نے اپنے بیٹوں کے لئے فرمائے حیات مادیہ سے نہیں بلکہ طبائع یعنی نیچر سے ہے۔ اور جہاں تک اس تخیل کا تعلق ہے عہدِ جدید میں بھی اس کو منفی انداز فکر نہیں دیا گیا بلکہ جب مسیح کی پیدائش ہوتی ہے تو مجوسی پورب میں ایک ستارہ دیکھ کر اس عزم کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں کہ ایک بادشاہ پیدا ہوا ہے حالانکہ مسیح مسندِ شاہی والا بادشاہ نہیں بلکہ روحانی بادشاہ تھا۔ لیکن اس سے ایک بات ضرور ذہن میں آتی ہے کہ شخصیتوں کا تعلق سیارگان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ برج اسد سے مناسبت رکھنے والا شخص سچ مچ ہی بادشاہ ہو بلکہ وہ طبیعت کے طور پر بھی شاہانہ انداز فکر کا متحمل ہو سکتا ہے اور پیدائش کی کتاب کے مصنف نے بھی اس سے انکار نہیں کیا۔ کہ وہ برکات جو اُن کو یعقوب نے دیں اس سے قبل وہ ان کے حامل تھے جیسا کہ لکھا ہے۔

ہر ایک کو اس کی برکت کے موافق اس (یعقوب) نے برکت دی۔

ضمیمہ

علمائے دین پیدائش کی کتاب کے الفاظ "پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہہ کی مانند بنائیں" کے لفظ "ہم" سے مسئلہ تثلیث کا تصور لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کیتھولک کلیسا کی کتاب مقدس میں اس کی وضاحت حاشیہ میں بھی کر دی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام علماء اس پر سو فیصدی متفق ہیں۔ لیکن حقائق کی تلاش کرنا ہر مسیحی کا فرضِ اولین ہے۔ لہذا آئیے باہم مل کر سوچیں کہ یہ حقیقت کہاں تک واضح ہے اور کہاں تک اس میں تضادات کا پہلو نمایاں ہے۔

مسیحی عقیدہ میں مسئلہ تجسم کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور اگر اسے مسیحیت کا سنگِ بنیاد کہا جائے تو کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہو گی۔ بلکہ موزوں ہی خیال کیا جائے گا۔ اس عقیدہ کی رُو سے خداوند تعالےٰ بذاتِ خود انسانی لبادے میں مُجسم ہوا اور حیاتِ ارضی میں اپنا نام یسوع مسیح رکھ کر انسانوں کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ اور اُن کے درمیان رہ کر اپنی قدرت کو ظاہر کیا۔ اور اس کی تصدیق کے لئے علمائے دین یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی پہلی آیات کو بطور سند پیش کرتے رہیں۔ جہاں لکھا ہے۔

ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب

چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں۔ اور
جو کچھ پیدا ہوا۔ اس میں سے کوئی چیز بھی اس
کے بغیر پیدا نہ ہوئی۔"

پھر لکھا ہے۔

"اور کلام مجسم ہوا۔ اور فضل اور سچائی سے معمور
ہو کر ہمارے درمیان رہا۔"

اِن آیات کا مفصل تجزیہ تو ہم اناجیل کی فلاسفی کے تحت کریں گے لیکن یہاں پر جو بات قابلِ غور ہے وہ ان آیات سے پیدائش کے لفظ "ہم" سے تثلیثی پہلو کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ اور اس سلسلے میں ہم بائبل کے طالب علموں سے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر سب چیزیں اس (مسیح) کے وسیلہ سے پیدا ہوئی ہیں تو انسان کی تخلیق سے قبل جو چھ دنوں کی کارگیری ہے اس میں خداوند تعالیٰ نے "ہم" کا لفظ کیوں استعمال نہیں کیا؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر خدا تین اقانیم کا مجموعہ ہے تو وہ زمین۔ آسمان۔ جانداروں اور روشنی وغیرہ کی تخلیق کے وقت بھی اس لفظ کو استعمال میں لاتا۔ اگر ہم اس لفظ کو تثلیث کے ثبوت کے لئے ضرور ہی پیش کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس "ہم" کو بھی نہیں بھلا سکتے جہاں لکھا ہے:

"اور خداوند خدا نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان
میں "ہم" میں سے ایک کی مانند ہو گیا"

۱۔ کیا انسان نیک و بد کی پہچان میں خدا کی مانند ہو گیا؟
۲۔ کیا وہ مسیح کی مانند ہو گیا؟

۴۔ کیا وہ روح القدس کی مانند ہو گیا؟

ابلیس نے جب حوا سے کہا کہ تم خدا کی مانند نیک و بد کی پہچان والے بن جاؤ گے تو عقیدہ تثلیث کے مطابق گویا یوں ہوگا۔ کہ تم باپ۔ بیٹے اور روح القدس کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے اور معتقدین تثلیث کے نزدیک ان تینوں کی صفات ازلیت وابدیت برابر ہیں بلکہ یہ سب قدوس۔ سچے۔ برحق ہرجگہ حاضر و ناظر۔ قادر مطلق۔ عالم الغیب۔ خالق۔ پاک کرنے والے۔ روحانی نعمتوں کے منبع۔ ابدی زندگی کے سرچشمے الہام کے دینے والے اور اُستاد ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ کہتا ہے کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اگر اقانیم ثلاثہ کی کاملیت برابر ہے تو پھر ایک کی مانند چہ معنی دارد۔ اگر ہم فرض کر لیں۔ کہ وہ مسیح کی مانند ہو گیا تو گویا خدا کی مانند ہو گیا۔ اگر کہیں خدا کی مانند ہو گیا تو گویا روح القدس کی مانند ہو گیا۔ لہذا ایک کی مانند ہونا اس تثلیث کے علاوہ کوئی علیحدہ شخصیت ہے۔ ورنہ لفظ ایک کی مانند ہو گیا نہیں بلکہ "ہماری مانند ہو گیا" زیر تحریر آتا

یہ علیحدہ شخصیت کون تھی؟

یہ شخصیت یقیناً وہ فرشتہ ہے جو خداوند تعالےٰ کے حضور سرکشی کے ذریعہ ابلیس یعنی شیطان کہلایا کیونکہ وہی ایک واحد شخصیت تھی۔ جو گناہ یعنی بدی اور نیکی دونوں کی پہچان رکھتا تھا اور وہ اُسی مقدس لشکر کا ایک رکن تھا جو خداوند تعالےٰ کے حضور قدوس قدوس کی آوازیں بلند کرنے والا تھا کیونکہ اگر خداوند تعالےٰ کا آدم اور حوا کو

نیکی اور بدی کی پہچان کرانا مقصود ہوتا تو وہ نیک و بد کے درخت کا پھل کھانے سے منع نہ فرماتا۔ کیونکہ اس کی پہچان کا ماحصل موت تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

"لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا
کیونکہ جس روز تُو نے اس میں سے کھایا تُو مرا۔"

بائیبل کے مندرجہ بالا اقتباس میں "مرا" سے مراد طبعی موت یا جسم انسانی کی فنا نہیں بلکہ خداوند تعالےٰ سے دوری ہے اور ابلیس اس کیفیت سے دوچار تھا۔ اسی لئے وہ اپنا ایک گروہ بنانا چاہتا تھا۔ جو اسکی طرح خداوند تعالےٰ کے خلاف سرکشی پہ آمادہ رہے۔ کیونکہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے قبل انسان کی حالت دُوری کی نہیں بلکہ قربت کی تھی اور یہی حسد تھا جو کہ ابلیس کے لئے ان محرکات کا سبب بنا۔ اور اس کا آدم و حوا سے کہنا کہ:

"تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن
جاؤ گے۔"

جھوٹ اور مکر و فریب پر مشتمل بیان تھا۔ یہاں تک کہ اس کا خود ساختہ مکالمہ تھا۔ کیونکہ جب تک کوئی کیفیت کسی پر گزر نہ جائے اس وقت تک وہ اس کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوتا۔ اسی لئے مسیح نے بھی اس کے متعلق کہا ہے کہ:

"جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو اپنی سی ہی کہتا ہے۔
کیونکہ وہ جھوٹا ہے بلکہ جھوٹ کا باپ ہے۔"

علمائے دین اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ابلیس آسمانی

برادری کا ایک معزز رکن اور خداوند تعالےٰ کے نزدیک مقرب تھا۔ گویا کہ وہ نیکی کے مفہوم سے آشنا اور اس کی حقیقت سے واقف تھا۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کے نزدیک بدی کا گزر بھی ناممکن ہے اُس کی آنکھ تو اتنی پاک ہے کہ بدی کو دیکھ ہی نہیں سکتی لیکن جب وہ آمادہ سرکشی ہُوا تو راندۂ درگاہ ہوگیا تو بدی سے بھی واقف وآشنا ہوگیا۔ القصہ خدا کی نزدیکی تو نیکی ہے لیکن اس سے دُوری بدی ہے۔ لہذا وہ فرشتگان یا اقنوم جو خداوند تعالےٰ کے ساتھ منسلک ہیں بدی کی پہچان سے ناآشنا ہونے چاہئیں اور ان کے بالمقابل جو منسلک بھی رہ چکے ہیں اور دُوری بھی اختیار کر گئے ہیں، اُن دونوں کیفیتوں یعنی نیکی اور بدی سے واقف ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا" سے مراد ابلیس یعنی سابقہ مقرب فرشتہ ہے۔

لہذا اگر اس موضوع میں "ہم" سے مراد فرشتہ ہے۔ تو تخلیق انسانی کے وقت جو "ہم" کا لفظ آیا ہے اس سے بھی فرشتگان ہی مراد ہیں اور بابل کے برج کے وقت بھی "ہم" کا لفظ اسی مخلوق سے متعلق ہے اور اہل یہود میں بھی یہی نظریہ رائج ہے۔

(۲)

پیدائش کی کتاب کے الفاظ:

"اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا

وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اسکی ایڑی پر کاٹے گا

مسیح کے متعلق پیشنگوئی کے طور پر زیر موضوع لائے جاتے ہیں، اور علمائے دین کی اکثریت اس پر متفق ہے۔ لیکن حقائق اور عبارت پر غور کیا جائے تو یہ الفاظ نسل انسانی اور سانپ کی نسل کے درمیان ہی محدود نظر آتے ہیں۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کی طرف سے یہ لعنت اس کو نہیں دی گئی تھی جس نے سانپ کو بطور ایک کارکن کے استعمال کیا تھا۔ بلکہ خالصتاً سانپ ہی کو تھی، اور مسیح کا مقابلہ زمین پر گھومنے پھرنے والے انواع و اقسام کے سانپوں سے نہیں۔ بلکہ اس ابلیس سے تھا جس کے وسیلہ سے یہ سرکشی معرض وجود میں آئی اور کوئی اہل علم یا چشم دید گواہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی قسم کے سانپ نے کبھی مسیح کی ایڑی کو کاٹا ہو اور مسیح نے اس کو کچلا ہو کیونکہ یہ عداوت حوا کی اولاد یعنی تمام بنی نوع انسان سے تھی۔ جو اس کے بطن سے معرض وجود میں آئے اور یہاں پر عورت سے مراد مقدسہ مریم کی ذات پاکیزہ ہرگز مراد نہیں اور جہاں تک انسان اور سانپ کا تعلق ہے وہ دشمنی آج بھی اظہر من الشمس ہے

وہ تمام لعنتیں جو کہ سانپ کو حوا کے ورغلانے کے باعث ملی تھیں، بائبل میں یوں مرقوم ہیں:

"اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا اس لئے کہ تو نے
یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون
ٹھہرا تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر
خاک چاٹے گا اور میں تیرے اور عورت کے

درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان
عداوت ڈالوں گا - وہ تیرے سر کو کچلے گا اور
تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔"

اس اقتباس کے مطالعہ کے بعد ہمیں اپنے ان قارئین سے جو ان الفاظ کو پیشین گوئی کے طور پر مسیح پر منطبق کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل سوالات کرنا چاہتا ہے :

۱- کیا ابلیس کا تعلق چوپایوں اور دشتی جانوروں سے ہے ؟

۲- کیا حوا کو ورغلانے کے بعد ابلیس پیٹ کے بل چل رہا ہے ؟

۳- کیا ابلیس اب خاک چاٹتا ہے ؟

۴- کیا عورت کی نسل سے باقی بنی نوع انسان خارج ہیں ؟

ان سوالات کی روشنی میں اگر آپ میرے ساتھ متفق ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ابلیس ایک غیر فانی رُوح ہے کوئی جانور نہیں - وہ اپنی آمد و رفت کے لئے پیٹ کے بل چلنے کا سہارا نہیں لیتا بلکہ روح ہونے کی صورت میں ہر جگہ پر موجود ہوتا ہے اور اسے کھانے پینے کی بھی کوئی حاجت نہیں ، اور پھر تمام بنی نوع انسان کا آغاز عورت کی وساطت سے ہے تو آپ یقیناً یہ بھی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ بائبل کی اس تحریر سے ابلیس جو کہ مسیح کا مدِ مقابل ہے کوئی سروکار نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق براہ راست دشتی جانور سانپ ، اور ان تمام لوگوں سے ہے جو بنی آدم کہلاتے ہیں۔

(۳)

پسرانِ یعقوب کی برکات کے سلسلہ میں یہوداہ کی برکات کیساتھ "شیلوہ" کا تعلق ظاہر کیا گیا ہے اور معتقدین "شیلوہ" سے مسیح مراد لیتے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق ہم حتمی طور پہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نظر ثانی انگریزی ترجمہ میں اس کا ترجمہ "جب تک وہ جس کا وہ ہے نہ آئے" لکھا ہے۔

باریک بین شاید اس سے بھی وہی نتیجہ اخذ کریں جو مسیح کی تصدیق کرے۔ لہذا ہمیں اس لفظ کو دلائل کی روشنی میں پرکھنا ہوگا، کہ یہ مسیح پر کہاں تک منطبق ہوتا ہے۔ نفس مضمون کے لحاظ سے خاندان یہوداہ کو اُس وقت تک مسند شاہی پر قائم ہونا چاہیئے تھا لیکن جب مسیح کی پیدائش یہودیہ کے بیت اللحم میں ہوئی تو اس وقت خاندان یہوداہ کا کوئی حکمران نہ تھا، اور اس کی نسل سے حکومت کا عصا پہلے ہی موقوف ہو چکا تھا۔ اس وقت تو ہیرودیس حاکم وقت تھا۔ جو کہ اینٹی پیٹر کا بیٹا اور ادومی النسل تھا۔ یہ لوگ مکابیوں کے دور میں زبردستی یہودیت میں شامل کئے گئے تھے۔ گو مذہب کے اعتبار سے تو وہ یہودی تھا لیکن نسل کے اعتبار سے اس کا یہوداہ یا اس کے بھائیوں کی اولاد سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔

اگر اسے روحانی بادشاہت سے تشبیہہ دیں تو پھر بھی واقعات کا تسلسل شکستہ نظر آتا ہے، کیونکہ روحانی بادشاہت کے تمام جانشین بھی خاندان یہوداہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ انبیائے کرام

مختلف خاندانوں میں مبعوث ہوتے رہے ۔ اور وہ نبی جس کے وسیلہ سے بنی اسرائیل کی آزادی وجود میں آئی ۔ لاوی کے خاندان سے تھا۔

جمُود

مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح کلیسا سے قبل خادمان دین کو روحوں کی کوئی فکر نہ تھی اور نہ ہی وہ کبھی بشارتی خدمت کرتے تھے ۔ کیونکہ کلیسیا بغیر کتاب مقدس کے تھی اور یہ ایسے ہی تھا کہ روشنی کا مینار تو موجود تھا لیکن روشنی نہ تھی ۔ اصلاح نے پاسبانوں میں سے ناپاکی ۔ حرامکاری اور بد اخلاقی کی بیماری کو دُور کیا ۔ اور ملکی زبان میں کتاب مقدس عطا کی تاکہ ہر مرد اور عورت اُسے اپنی زبان میں پڑھ سکے ۔ اصلاح سے قبل مذہبی خیالات ۔ مریم پرستی ۔ مقدس پرستی ۔ بت پرستی ۔ تبرکات پرستی ۔ زیارت اور قبر پرستی ۔ اعتراف اور اعراف پرستی ۔ ریاضت و فاقہ ۔ اور پرلیسٹ کی اندھی تقلید اور ماس پرستی سے مزیّن تھے ۔ تبرکات کی یہ حالت تھی کہ کہیں تو فرشتہ کا پر ۔ کہیں وہ نیزہ جس کا مسیح کی پسلی کو چھیدا گیا ۔ کہیں صلیب کے ٹکڑے ۔ کہیں مقدس پولس کا ہاتھ ۔ کہیں مقدس فلپس کا فیتہ کہیں مریم اور سلومی کی ہڈیاں ۔ کہیں پتھر کا وہ ٹکڑا جس پر بیت اللحم میں مسیح یسوع پیدا ہوا ۔ کہیں آخری فسح کی روٹی کا ٹکڑا ۔ کہیں مریم مقدسہ کا کمر بند اور دُودھ ، پرستش اور خدا کی مقبولیت کے ذرائع بن چکے تھے ۔

رومن ازم کے زمانہ میں خدا کے گھر میں عبادت و ستائش اسراری حرکات و رموز سے پر تھی۔ پریسیٹ کے ہاتھ اور زبان عبادت کو عمل میں لاتے اور عوام نیم بیداری میں محض تماشائی ہوا کرتے تھے اور انہیں ذہن۔ عقل اور رُوح کو استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

مارٹن لوتھر کی محنت شاقہ سے مسیحیت کی زبوں حالی کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ لیکن اس کے کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ اور خدا پرستی کے اس میدان میں اس پہاڑ کے سنگریزوں سے بہت سے ٹیلے ابھر آئے ہیں اور اس کی وجہ کتاب مقدس کی حقیقی روح سے چشم پوشی تھی۔ مارٹن لوتھر نے صرف رائج الوقت غلط عقائد کی ترمیم کر کے ان کی جگہ نئے عقائد ٹھونس دیئے۔ لیکن کتابِ مقدس کی تحقیق کے سلسلہ میں تعصب اور روا داری کا دامن تھامے رکھا۔ اگر مسیحیت کی حقیقت کو اُجاگر کر کے ایک خطِ مستقیم کھینچا جاتا تو آج اتنے عقائد معرضِ وجود میں نہ آتے۔

ہم اہلِ مغرب کے شکر گزار ہیں کہ وہ اپنے مالی وسائل کو بروئے کار لا کر نت نئی تحقیقات سے دامن انسانی کو مالا مال کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے جہاں چاند تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی تحقیقات میں بھی پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے قدیم دستاویزوں اور آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے کئی ایک حقیقتوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے

لیکن جہاں وہ محنت مشقت کر رہے ہیں وہاں پر اُن کے مخالفین کے گروپ بھی حقائق کو چھپانے کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں ۔ وہ اس بات کے خلاف ہیں کہ بائبل کے متعلق تحقیق کی جائے ۔ حالانکہ ترمیم و تصدیق کرنا کوئی گناہ نہیں بلکہ انسانی ذہنوں میں جمود پیدا کرنا گناہِ عظیم ہے ۔

اگر سلسلۂ ترمیم و تنسیخ گناہ ہوتا تو مسیح موسیٰ کے مرتب کردہ قوانین کو جُوں کا توں رہنے دیتا ۔ لیکن اس نے شریعت کے قوانین کو تبدیل کر کے اُن کے حقیقی مفہوم سے آگاہ کیا ۔ جیسے لکھا ہے کہ :

" اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون
کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا لیکن
میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی
پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا "

کیا یہ ترمیم نہیں ؟

- سنیچر کی بجائے اتوار کو سبت ماننا ترمیم نہیں ؟
- رومیوں کی عید کو مسیح کا جنم دن قرار دینا ترمیم نہیں ؟
- بپتسمہ کے مختلف طریقے اختیار کرنا ترمیم نہیں ؟

اگر اہلِ ایمان کی نظر میں یہ تراميم نہیں تو پھر تحقیق سے تراجم میں رد و بدل کرنا بھی کوئی ترمیم نہیں ۔ کیونکہ جوں جوں زمانہ ترقی کر رہا ہے اس کی علمی حدود وسیع ہو رہی ہیں ۔ کئی ایک ایسی تراکیب تشبیہات اور الفاظ تھے ۔ جن کی حقیقت اب عیاں ہوئی ہے

اور شاید مستقبل قریب میں کئی اور حقیقتیں بھی منظرِ عام پر آ جائیں۔ لہذا ہمیں کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی مقام پر آنکھیں بند کر کے چکر لگانے سے گریز کرنا چاہیئے، اور نت نئی تحقیقات کو زیرِ مطالعہ لا کر ان سے استفادہ حاصل کرنا چاہیئے۔ اور اگر ہم اسی ڈگر پر لگے رہے کر بائبل کی تحریر چونکہ خداوند تعالیٰ کی خود لکھائی ہوئی ہے۔ لہذا اس پر سوچنے کا کسی کو حق نہیں تو یقین جانئے مسیحیت ایک ایسی دلدل میں پھنس جائے گی جہاں سے نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

آیئے! ہم وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیں —— اور حقیقتوں سے ہمکنار ہوں۔ ہم ہر نئی سوچ —— نئی تحقیق اور آثار قدیمہ کا خیر مقدم کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ کی کاریگری۔ اس کی الوہیت اور مقاصد کو سمجھنے کا یہی ایک طریقہ ہے: ہم اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار دیں۔ ہم ہر اچھی بات کو قبول کریں خواہ اس کا ماخذ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

خداوند تعالےٰ کے پیغامات میں کوئی بھید نہیں کیونکہ جو ہماری طرف بھیجا گیا ہے۔ وہ ہماری عقل و دانش کے مطابق ہے —— آیئے! آج ہم نئی راہ تلاش کریں جو حقیقتوں سے ہمکنار ہوتی ہے —— اور ان لوگوں سے بچیں جو خدا پرستوں کے روپ میں

حقائق پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ بقول شاعر ؎

ذہنوں میں اُنکے بُت ہیں عقائد کے رُوپ میں
جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم ہیں خُدا پرست
(کنول فیروز)

فصلِ دوم

دورِ شریعت

شریعت

آج اہلِ یہود مختلف تنظیموں کے لبادے میں بین الاقوامی سطح پر موسوی شریعت کی افادیت اور نفاذ کو انسانی ذہنوں میں جاگزین کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ دورِ جدید میں تعصبات کی دیواریں گر رہی ہیں اور ہر شخص اپنے عقیدہ کے لئے آزاد ہے لیکن اس کے برعکس ہمیں ان مسیحیوں سے شکوہ ضرور ہے جو "مسیح" جیسی مضبوط چٹان کو چھوڑ کر آبنائے عالم میں بہتے ہوئے تنکوں کا سہارا لیتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر اپنی رسومات و عقائد میں یہودی تعلیمات و رسومات سے بہت متاثر ہیں۔ جبکہ مسیحؑ ایک یہودی النسل ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کرتا ہے۔ لکھا ہے :

"کیا وجہ ہے کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ میں نے تم سے روٹی کی بابت نہیں کہا ؟ فریسیوں اور صدوقیوں کے خمیر سے خبردار رہو۔ تب اُنکی سمجھ میں آیا کہ اس نے روٹی کے خمیر سے نہیں بلکہ فریسیوں اور صدوقیوں کی تعلیم سے خبردار رہنے کو کہا تھا۔" (متی ۱۶/۱۱-۱۲)

انجیل کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریسیوں — اور

صدوقیوں کی تعلیم کسی قطع و برید اور ملاوٹ کا شکار ہو چکی تھی - اور مسیحؑ اس حقیقی تعلیم کا داعی تھا جس سے انسان خداوند تعالےٰ کی قربت کا شرف حاصل کرنے کے قابل ہو سکے چونکہ ہمارے نزدیک مسیح کی ذاتِ اعلیٰ صفات ہی قابلِ نمونہ اور اسکی تعلیم ہی قابلِ قبول ہے - اس لئے ہمیں ان تمام باتوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا ہو گا۔ جن کو وہ پسند نہ فرماتے تھے - خواہ انکا تعلق کسی سماجی ضابطہ سے ہو یا روحانی اقدار پر مبنی ہو اور اس سلسلے میں پادری ڈبلیو۔ جے ینگ صاحب نے بھی سینچر مشن کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان کا مذہب نجات بالعمل کے اعتقاد کا حامی ہے وہ ایک چیز یعنی شریعت پر عمل کرنے کو تقویت دیتے ہیں نہ کہ ایک شخص یعنی یسوع مسیحؑ کی پیروی کرنے پر- لیکن ہمارا اعتقاد ہے کہ مسیحؑ ہی کافی ہے لہٰذا ان (سینچر مشن) کی تعلیم مسیحی دین کی تعلیم کے بنیادی اصولوں پر ایک زبردست چوٹ ہے - کیونکہ لوقا $\frac{16}{16}$ کے مطابق شریعت اور انبیا کی تعلیم یوحنا تک ہے"

وہ اپنے کتابچہ میں چوتھے حکم کو یہودی قواعد و ضوابط اور پابندیوں کے ساتھ ماننے کی تردید کرتے اور اس کو مسیحیت کیلئے غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب شریعت کا ایک خصوصی حکم مسیحیت کے دائرۂ عمل میں آکر اپنی اصلی افادیت

کھو دیتا ہے تو گویا ساری شریعت ہی مسیحیت کے لئے بے فائدہ ہو جاتی ہے اور مسیحی کے لئے اس کا فائدہ اس تکمیل کی صورت میں ہے جو کہ مسیحؑ نے کی اور اپنی زبانِ مبارک سے اس کا متن مشتہر کیا۔ لہٰذا ان دونوں شریعتوں کا موازنہ کرنے سے پہلے ہمیں توریت کی ان پانچ کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ جن کے متعلق یہ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی اصلی شکل و صورت میں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہم خروج سے لے کر استثنا تک باری باری ہر کتاب کے متن پر غور کریں گے۔ کہ یہ کتابیں کیا اسی زیر و زبر کے ساتھ ہیں جو کہ کوہِ طور پر تختیوں کی صورت میں دی گئی تھیں یا زمانہ کے حوادث کا شکار ہونے پر دوبارہ ترتیب دی گئی ہیں۔

خروج

علمائے دین اور معتقدین کی رائے میں خروج کی کتاب کا مصنف بذاتِ خود موسےٰ ہے۔ جبکہ کتاب کا متن اس حقیقت کی نشاندہی کرنے سے قاصر ہے کیونکہ کتاب کے طرزِ تحریر سے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کسی دوسرے شخص نے داستانِ رفتہ کو لفظی جامہ پہنایا ہے۔ کیونکہ اگر یہ تحریر موسےٰ کی ہوتی تو وہ آغاز داستان کے وقت اپنے آپ کو یوں نہ لکھتا کہ۔

اتنے میں جب موسےٰ بڑا ہوا تو باہر
اپنے بھائیوں کے پاس گیا۔

بلکہ شاید اُسے یوں لکھنا چاہیئے تھا کہ جب میں بڑا ہوا تو باہر

بھائیوں کے پاس گیا۔ اس کتاب میں صرف یہی ایک فقرہ ... جس سے موسٰی کو اس کتاب کا مصنف قرار دینے میں مشکل ... ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ۔

موسٰے یہ سوچ کر ڈرا۔

موسٰے فرعون کے حضور سے بھاگ کر مدیان میں جا بسا۔

موسٰے ساتھ رہنے کو راضی ہو گیا۔

موسٰی اپنے خسر کی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔

۵۔ فرشتہ اُس پر ظاہر ہوا۔

پھر خدا نے موسٰے سے کہا تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا۔

اور اس قسم کے بہت سے فقرے اس بات کی کھُلی دلیل ہیں کہ اس ... ب کا مصنف موسٰی نہیں بلکہ اس کے بعد کا کوئی شخص ہے۔ جس ... نے روایات و واقعات سے بیانات اخذ کر کے اس کتاب کو مرتب ... کیا ہے۔ اور جہاں تک روایات اور یادداشتوں کا تعلق ہے اس ... میں بھول چوک اور کمی بیشی کا ہونا امرِ لازم ہے۔ اور اس سے طریقہ ... دریس کے طالب علم واقف ہونگے۔ کہ ماہرینِ نفسیات نے بچوں ... کے لئے ایک کھیل ایجاد کیا ہے جس میں ایک بچہ دوسرے بچے ... کے کان میں ایک بات کہتا ہے۔ وہ تیسرے کے کان میں وہی پیغام ... دیتا ہے۔ اور اس طریقہ سے قطار میں کھڑے سب بچے پہلے ... کی بات سُنتے جاتے ہیں۔ لیکن جب نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے تو وہ ... جو پہلے بچے نے کہی تھی آخری بچے تک پہنچتے پہنچتے اپنا مفہوم ... الفاظ تبدیل کر چکی ہوتی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

انسانی مشینری کے کل پرزے اکثر نسیان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا روایات جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچتی ہیں ان میں تھوڑا بہت اختلاف ضروری ہے۔ اور اس اختلاف کی حقیقت سے روشناس ہونے کے لئے ہمارے پاس عقل کے سوا دوسرا کوئی وسیلہ نہیں جس سے ہم اس بات کی تہ تک پہنچ سکیں کہ آیا یہ روایت درست ہے یا اس میں کوئی ملاوٹ داخل ہو گئی ہے۔ لہذا روایات کو استدلال کی روشنی میں پرکھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔

ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے ضرور کوئی ضابطہ حیات تحریر کیا ہو گا۔ لیکن ہمیں اس کے ساتھ ہی زمانے سے بھی شکوہ ہے جس نے ایسی تحریرات ہم تک پہنچائی ہیں جن سے موسیٰ ماضی کا ایک کردار اور وہ ضابطہ محدود سا نظر آتا ہے اور آج اہل تحقیق اصلی متن کے لئے سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو حورب پر خدا کے فرشتے نے اس کو لکھوایا تھا۔ اگر اہل یہود کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ اصلی متن ان کے پاس ہے تو پھر موسیٰ کے لئے واحد متکلم کا صیغہ کیوں غائب ہے؟ وہ کونسے محرکات تھے جن سے خائف ہو کر اس نے یہ نہیں کہا کہ خدا نے مجھ سے فرمایا؟ اور یہ ایسے سوالات ہیں جو موسیٰ کو اس کتاب کا مصنف قرار دینے کی دلائل پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ اور اس کے برعکس تاریخی مواخذ کی حمایت کرتے ہیں۔ اور جب کسی کتاب کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ تاریخ کے اوراق کا ایک مجموعہ ہے تو پھر روح القدس کی تحریک جس سے وہ مصنف کو لکھنے کی تقویت دیتا ہے

بجاتی ہے۔ اس طرح تو ہر تاریخ نویس جو کسی ملک کی گذشتہ یادداشتوں کو منظرِ عام پر لے آتا ہے گویا روح القدس سے معمور ہوا۔ روح القدس کی تحریک اس صورت میں قابلِ قبول ہے جب یہ باتیں اس زمانہ سے بالکل ہی معدوم ہو چکی ہوتیں۔ لیکن اس کے برعکس جب وہ کسی نہ کسی انسانی دل و دماغ میں محفوظ ہیں تو اس میں مصنف کی صرف کاوش و محنت مقصود ہے۔

خروج کی کتاب کے پہلے انیس باب بنی اسرائیل کی مصر سے رہائی۔ بحیرۂ قلزم کو عبور کرنا۔ اور کوہِ سینا تک مشکل سفر کی داستان ہے۔ لیکن ان ابواب کے بعد شریعت کا ضابطہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو کہ کوہِ سینا پر دی گئی تھی۔ اور جس کے متعلق مرقوم ہے کہ خداوند تعالےٰ پہاڑ کی چوٹی پر ظاہر ہوا اور موسےٰ کو احکامِ شریعت دیئے جیسے کہ بائیبل میں لکھا ہے۔

اور موسےٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے۔ اور وہ پہاڑ سے نیچے کھڑے ہوئے اور کوہِ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا۔ کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اُترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اُٹھ رہا تھا۔ اور وہ سارا پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔ اور جب قرنا کی آواز نہایت بلند ہوتی گئی تو موسےٰ بولنے لگا اور خدا نے آواز کے ذریعہ سے اسے جواب دیا۔ خروج ۱۹ / K-۱۹

لیکن اعمال کی کتاب میں ستفنس شہید کوہِ سینا پر خدا کی حضوری کی تردید کرتا ہے۔ اس کے مطابق پہاڑ پر خدا نہیں بلکہ فرشتہ موسٰے سے ہمکلام ہوا تھا جیسے کہ لکھا ہے۔

یہ وہی موسٰے ہے جس نے بنی اسرائیل سے کہا
کہ خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے
ایک نبی پیدا کرے گا۔ یہ وہی ہے جو بیابان
پر اُس سے ہمکلام ہوا فرشتہ کے ساتھ جو
کوہِ سینا کی کلیسا میں اس اور ہمارے
باپ دادا کے ساتھ تھا۔

اب ان دونوں اقتباسات سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ کون سی بات درست ہے اور کس کو ہم غلط قرار دے سکتے ہیں۔ اگر ہم خروج کی کتاب کے مصنف کی ہاں میں ہاں ملا کر یہ کہیں کہ خدا موسٰے سے ہمکلام ہوا تھا تو پھر نئے عہد کی کتاب غیر الہامی ثابت ہوتی ہے جو کہ کوہِ سینا پر فرشتہ بتاتی ہے اور اگر موخر الذکر کتاب کو درست کہیں تو پھر خروج کی کتاب مشکوک ہو جاتی ہے۔

کوہِ سینا کی شریعت کے متعلق علمائے دین کی رائے ہے کہ اُس میں سے بعض قوانین عام اہمیت رکھنے والے ہیں جبکہ بعض کا تعلق صرف خاص موقعوں سے تھا۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ آئیے ذرا اس کی اہمیت اور افادیت کو بائبل کے متن اور دورِ حاضرہ کی روشنی میں تلاش کریں کہ ہم اس کے کہاں تک پابند ہیں۔

دس احکام ساری شریعت کا نچوڑ یا عنوان کہے جا سکتے ہیں۔
لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم دس احکام کے ماتحت ہیں ؟
اور اس کا جواب یقیناً منفی ہے۔ کیونکہ احکام کے صادر کرنے سے پہلے عبارت کچھ یوں مرقوم ہے۔

کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملکِ مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا ہوں میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔

اس آیت میں حق تعالےٰ صرف بارہ قبائل پر مشتمل ان بنی اسرائیل سے مخاطب ہے جن کو وہ ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے چھٹکارا دلا کر لایا ہے۔ وہ ان احکام کا تعلق بابلیوں۔ عربوں۔ مصریوں۔ حبشیوں یا کنعانیوں سے ظاہر نہیں کرتا اور نہ ہی وہ براعظم یورپ اور ایشیاء کی دوسری اقوام سے مخاطب ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوہ سینا کی شریعت بین الاقوامی حیثیت کی متحامل نہیں بلکہ ایک مخصوص قوم یعنی بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے۔ لہٰذا اس کو عالمگیر حیثیت دینا ایک خود ساختہ فلاسفی ہوگا۔ کیونکہ جس کو خداوند تعالےٰ اقوام عالم کے لئے لائحہ عمل قرار نہیں دیتا اس کو زمانے بھر کی تقدیر بنا دینا ایک ناقابلِ معافی عمل ہے۔

ابراہام۔ اسحاق۔ یعقوب کو برکات دیتے وقت خداوند تعالیٰ نے ابراہام سے وعدہ کیا تھا کہ زمین کی تمام قومیں تیرے وسیلہ سے برکت پائیں گی۔ لیکن اس برکت کے حصول کے لئے ہم کوہ سینا کی شریعت کو ممد و معاون قرار نہیں دے سکتے۔ یہ ایسی صورت میں ممکن تھا جب کہ

ابراہام بھی کسی نہ کسی واسطہ سے ان احکام کے ماتحت ہوتا۔ لیکن استثنا کے پانچویں باب میں موسیٰ اس شریعت کے نفاذ کو اور بھی محدود کر گیا ہے اور یوں لکھا گیا ہے کہ

"خداوند نے یہ عہد ہمارے باپ دادا سے نہیں بلکہ خود ہم سے جو آج کے دن جیتے ہیں باندھا"

گویا کہ وہ تمام اشخاص اور قومیں اس شریعت سے مستثنیٰ ہیں جو یعقوب کے بارہ بیٹوں کے صلب سے نہیں اور اس وقت وہاں موجود نہ تھیں جب یہ احکام دیئے گئے تھے۔

تمام شریعت کو خدا کی رہنمائی اور مکاشفہ سے منسوب کرتے وقت ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس میں ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو موسےٰ کے زمانے سے بھی پیشتر تھے۔ دنیا کے آغاز سے ہی خون کرنے کی ممانعت تھی اور اس طرح سے تمام اخلاقی شریعت کا بھی وجود تھا۔ بہت سے معاشرتی احکام کی متوازی مثالیں گردونواح کے ممالک کی تحریروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور بعض تو ابراہام کے زمانہ تک جا پہنچتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی قبل موجود ہیں۔ گویا کہ کوہِ سینا پر اُن ہی احکام کی تصدیق ہوئی یا یوں کہیئے کہ انہیں پھر سے نئے سرے سے جاری کیا گیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسلِ انسانی کے پاس کوئی ایسا ضابطہ ضرور تھا۔ جس کے تحت قبل از موسیٰ کے بزرگ راست باز اور ان کے ساتھی ایک منفرد حیثیت قائم رکھتے تھے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرنا۔ خون نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا وغیرہ کا حکم صرف موسےٰ کے عہد میں ہی دیا گیا تو اس سے یہ

ظاہر ہوگا کہ اس سے قبل یہ کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ گذشتہ صفحات میں ہم نے یہوداہ اور اُس کی بہو کے واقع میں زنا کی سزا جلا دینا کا ذکر کیا ہے۔

مسیحی مکتبہ فکر کی رائے میں شریعت گناہ کی پہچان ہے۔ گویا کہ اگر ہم شریعتِ موسوی کا مطالعہ نہ کریں تو گناہ کو سمجھنا ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہو جائے۔ اور نہ ہی اُس کی اصلیت اور ماہیت سے واقف ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ فلسفہ بھی کسی حد تک قابل قبول نہیں کیونکہ کیا وہ لوگ جو موسےٰ کی شریعت کا مطالعہ نہیں کرتے وہ گناہ کی اصلیت سے ناواقف ہیں۔

تاریخی لحاظ سے اکثر اوقات موسوی شریعت اور قوانین حمورابی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ حمورابی دو ہزار قبل از مسیح بابل پر حکمرانی کرتا تھا۔ اپنی حکومت کے آخری ایام میں اس نے ان قوانین کو ایک ستون پر کندہ کروایا جو سات فٹ اونچا تھا اور جس کا قطر دو فٹ تھا۔ بارھویں صدی عیسوی میں عیلامی لوگ اس پتھر کو اٹھا کر لے گئے اور اپنی فتح کے نشان کے طور پر سوسن میں نصب کر دیا۔ اور موجودہ صدی کے آغاز میں اس کی دریافت ہوئی ہے۔ ان قوانین میں بعض اس زمانہ سے بھی قدیم ترتھے کیونکہ تحریروں میں آیا ہے کہ ۲۷۰۰ ق۔م میں ایک بادشاہ اروگنہ تھا جس نے ایسا ہی مجموعہ قانون شائع کیا تھا۔ گویا کہ حمورابی کے مجموعہ قوانین میں اروگنہ کے قوانین سے استفادہ کیا گیا۔

حمورابی کا مجموعہ قوانین ۲۸۲ دفعات پر مشتمل ہے جن کا

انگریزی ترجمہ تیس صفحات کی کتاب کی صورت میں موجود ہے ان قوانین میں چوری۔ ڈاکہ زنی۔ لوٹ۔ زمین۔ عمارات۔ زمیندار اور مزارعین سوداگروں اور ان کے گماشتوں۔ بیوپاری۔ قرضہ جات۔ طلاق۔ وراثت۔ متبنے بنانے۔ زدوکوب کرنے اور تلافیٔ نقصان۔ طبی نیز معماروں۔ مزدوروں۔ جانوروں اور غلاموں کے مختلف پہلوؤں پر قانونی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور خروج کی کتاب کے قوانین جو کہ تقریباً ۱۴۰۰ ق۔م میں زیر تحریر آئے تھے۔ ہمورابی کے دو ہزار سال ق۔م کے مجموعۂ قوانین سے اکثر ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہمورابی کا قانون نمبر ۱۹۵ اور خروج ۲۱/۱۵، قانون نمبر ۲۰۶ اور خروج نمبر ۱۹-۲۱/۱۸ اور ان کی مانند اور بھی باہم ملتے ہیں۔ جس سے علمائے دین کی یہ رائے کہ شمسی قوانین اردگرد کی تحریروں میں کسی نہ کسی طرح موجود تھے قرین قیاس ہے۔

تقسیم کے لحاظ سے موسوی شریعت تین اہم حصوں میں منقسم ہے اس کا ایک حصہ اخلاقی شریعت پر مشتمل ہے جس کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یہ قدیم الایام سے بنی نوع انسان کی اخلاقی ضروریات کے مطابق موجود تھی۔ دوسرا حصہ رسمی شریعت ہے جس کے متعلق علمائے دین کا فرمان ہے کہ یہ مسیح میں پوری ہوئی اور اب کہانت اور قربانیوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ تیسرا حصہ شہری قوانین کی تفصیل ہے۔ جو کہ ہماری پیچیدہ اور الجھی ہوئی تہذیب پر عائد نہیں ہو سکتے۔ گویا کہ موسوی شریعت جب عہدِ عتیق کی مخصوص قوم سے عالمگیر حیثیت کی طرف بڑھتی ہے تو اپنے وہ اثرات قائم نہیں رکھتی جو اُس دور

ہیں اس کا خاصہ تھے۔ اور مسیحؑ کے دور میں تو ان کی ماہیت ہی بدل جاتی ہے۔ کیونکہ مسیح یسوعؑ نے ان احکام سے قطع نظر ان کی گہری فلاسفی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ گو رسمی شریعت اور شہری قوانین اقتدارِ زمانہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اخلاقی شریعت جس کے متعلق ہم بضد ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ تکمیل پاتی ہے کا فلسفہ بھی سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مسیحی شریعت اور موسوی شریعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کا تعلق صرف شعور اور مادی زندگی سے ہے جب کہ دوسری کا تعلق تحت الشعور اور روحانی زندگی سے ہے۔ اول الذکر شریعت جب یہ کہتی ہے کہ تو خون نہ کرنا تو دوسری فوراً خون کرنے کے محرکات پر ہی پابند کر دیتی ہے یعنے غصہ نہ کرنا۔ کیونکہ غصہ خون کرنے کی جڑ ہے۔ لہذا اگر ہم نے کسی درخت کی جڑ کو ہی معدوم کر دیا تو درخت کی شکل وصورت کہاں رہ جائے گی۔ وہ تو دھڑام سے زمین پر گرے گا اور جلانے کے کام آئے گا۔ کیونکہ درخت کی بقا کا دارومدار جڑ سے ہے اور جب جڑ پر ہی کلہاڑا رکھ دیا اور درخت کے متعلق یہ ضد کرتے رہے کہ دیکھو کتنا اچھا تو اس کو سوائے حماقت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اس لئے جب ہم مسیح کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو گویا ہم جڑ کو ہی اکھاڑ دیتے ہیں۔ اور موسوی شریعت کی گھنی شاخیں ہمارے کسی کام کی نہیں رہ جاتیں۔

احبار

احبار کی کتاب بھی اپنے متن کے لحاظ سے موسیٰ کو اپنا مصنف ثابت نہیں کرتی بلکہ کتاب کے خاتمہ پر "جو احکام خداوند نے کوہِ سینا پر بنی اسرائیل کے لئے موسیٰ کو دیئے۔ یہی ہیں!" کے الفاظ بھی اسے کسی دوسرے شخص کا تحریری کارنامہ کہنے کا بین ثبوت ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مابعد کے لوگوں نے مختلف مواخذ سے استفادہ حاصل کر کے اس کو کتابی صورت دی ہے۔ اور اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ قوانین دورِ شریعت سے قبل مختلف صورتوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اور حال ہی میں راس شمرہ کی دریافت کردہ تختیاں خطا کی قربانی کا حوالہ دیتی ہیں جو کہ کئی طرح سے احبار کی کتاب سے مشابہ ہیں۔ علاوہ ازیں احبار کی کتاب کے ۱۷ تا ۲۶ ابواب جو کہ پاکیزگی کے قوانین پر مشتمل ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوانینِ قربانی اور پاکیزگی روح القدس کی تحریک سے مصنف پر بذریعہ مکاشفہ عیاں نہیں ہوئے بلکہ سابقہ مواخذ سے اقتباسات کی صورت میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ اور ہم اس سلسلہ میں ابراہام بلکہ قائن اور ہابل کی قربانیوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں کسی چیز کو قبول کرنے سے پہلے اس کی حقیقت سے پردہ کشائی ضرور کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات ابلیس مذہبی لبادے میں آ کر ہمیں اصلیت میں ملاوٹ پیدا کرنے کو تیار کر لیتا ہے۔

بائبل کے پڑھنے والوں کا ایک طبقہ احبار کی کتاب کے ایک حصّے کو کاہنوں کا مجموعۂ قوانین خیال کرتا اور اسے حزقی ایل کے بعد کی کتاب تصور کرتا ہے۔ اور اس کے لئے مختلف دلائل و کرائن سے کام لیتا ہے لیکن ہمیں اس سلسلے میں جو بات کھٹکی ہے وہ قربانیوں کا نظام ہے۔ اور ذہن میں لا محالہ ایک سوال ابھر آیا ہے کہ کیا یہ ذبیحہ جات اور سوختنی قربانیاں خداوند تعالےٰ نے موسیٰ سے کہی تھیں یا مابعد کے تجدیدی دور کی پیداوار ہیں۔ اور اس سوال کا جواب ہمیں آثار قدیمہ کی تحقیقوں اور تاریخ اسلاف کے اوراق کی بجائے اُن انبیائے کرام کی نبوتوں میں مل گیا ہے جن کے متعلق اتفاق الرائے ہے کہ وہ شریعتِ موسوی کی افادیت اور نفاذ کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ گویا کہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ اسی سابقہ شریعت میں اگر کوئی رخنہ پڑ گیا تھا تو اس کو خداوند تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق پُر کرنے کا سرانجام دیتے تھے لہٰذا قربانیوں کے سلسلہ میں ہم سب سے پہلے یرمیاہ نبی کی تحریر بذریعہ نبوت کو ناظرین کی نظر کرتے ہیں لکھا ہے

ربّ الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ اپنے ذبیحوں پر اپنی سوختنی قربانیاں بھی بڑھاؤ اور گوشت کھاؤ۔ کیونکہ جس وقت میں تمہارے باپ دادا کو ملکِ مصر سے نکال لایا اُن کو سوختنی قربانی اور ذبیحہ کی بابت کچھ نہیں کہا اور حکم نہیں دیا۔ بلکہ میں نے اُن کو یہ حکم دیا اور فرمایا کہ میری آواز کے شنوا ہو۔ اور میں تمہارا خدا ہوں

اور تم لوگ میرے ہو گے۔ اور جس راہ پر کی ہیں تم کو ہدایت کروں اُسی پر چلو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

یرمیاہ ۲۳ ۲۱-۲۳

اس اقتباس کا پہلا فقرہ طنزیہ معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ اس کے بعد خداوند تعالےٰ یرمیاہ کی معرفت اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ میں نے تمہارے باپ داداؤں کو قربانیوں کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیلی کاہنوں نے یہ قوانین مرتب کر کے اُن کو قوم کے لئے ایک ضابطہ قرار دیا تھا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ تمام معاشرتی قوانین بھی اُن ہی کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ اور نتیجتاً ہم اس بات پر پہنچتے ہیں کہ کوہ سینا کی شریعت صرف دس احکام پر ہی مشتمل تھی۔ جس کو خداوند تعالےٰ کے فرشتوں نے موسےٰ کو لکھوایا تھا۔ لیکن جہاں تک قربانیوں کے متعلق احکام کا من جانب خداوند تعالیٰ ہونے کا تعلق ہے اسکی تردید سموئیل کے زمانہ سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ جیسا کہ لکھا ہے۔

۱۔ سموئیل نے کہا کیا خداوند سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے اتنا ہی خوش ہوتا ہے جتنا اس بات سے کہ خداوند کا حکم مانا جائے؟ دیکھ فرمانبرداری قربانی سے اور بات ماننا مینڈھوں کی چربی سے بہتر ہے۔

ا۔سموئیل ۱۵/۲۲

۲۔ قربانی اور نذر کو تُو پسند نہیں کرتا۔ تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں۔ سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی

تو نے طلب نہیں کی ۔ زبور ۴۰/۶

۳۔ خداوند فرماتا ہے تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام ؟ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے بیزار ہوں ۔ اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکروں کے خون میں میری خوشنودی نہیں ۔

یسعیاہ ۱/۱۱

۴۔ کیونکہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں اور خداشناسی کو سوختنی قربانیوں سے زیادہ چاہتا ہوں ۔

ہوسیع ۶/۶

۵۔ میں کیا لے کر خداوند کے حضور آؤں اور خداوند تعالےٰ کو کیونکر سجدہ کروں ؟ کیا سوختنی قربانیوں اور یک سالہ بچھڑوں کو لے کر اُس کے حضور آؤں ؟ کیا خداوند ہزاروں مینڈھوں سے یا تیل کی دس ہزار نہروں سے خوش ہوگا؟ کیا میں اپنے پہلوٹھے کو اپنے گناہ کے عوض میں اور اپنی اولاد کو اپنی جان کی خطا کے بدلہ میں دے دوں اے انسان اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے ۔ خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خدا کے حضور فروتنی سے چلے ۔ میکاہ ۶/۶-۸

مندرجہ بالا حوالہ جات میں خداوند تعالےٰ کی ذبیحوں اور سوختنی قربانیوں سے بیزاری ۔ ناپسندیدگی اور لاتعلقی صاف ظاہر ہے ۔

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رواج خداوند تعالیٰ کی ہدایات کے تحت نہیں بلکہ قومی ضابطہ کے لئے مسند نشینوں کی ہدایات کے تحت جاری ہوا تھا۔ اور اس میں اقوام سابقہ اور گردوپیش میں سکونت پذیر لوگوں کی رسومات کا دخل ضرور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جس قربانی کو کسی دیوتا کی طرف منسوب کرتے تھے کاہنوں نے اسے زندہ وجاوید خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کر لیا ہے۔

گنتی

اس کتاب کا متن بھی موسےٰ کو اپنا مصنف ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ اور اس کتاب کا من جانب اللہ ہونا اور اس کی تحریر کے پس پشت روح القدس کی تحریک اس کے ۲۱ / ۱۴-۱۸ سے غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ حوالہ ایک منظوم کلام کا اقتباس ہے جس کے ابتدائی الفاظ کچھ یوں ہیں۔

اسی سبب سے خداوند کے جنگ نامہ میں یوں لکھا ہے۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "جنگ نامہ خداوند" کوئی دوسری کتاب تھی جس سے اقتباس کر کے اس کتاب کو مستند کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کے حوالہ ۲۱ / ۲۷-۳۰ کے آغاز میں" اسی سبب سے مثل کہنے والوں کی یہ کہاوت ہے" کے الفاظ بھی اُس عقیدہ کی نفی کرتے ہیں۔ جو اس تحریر میں روح القدس کی تحریک کی حمایت کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کتاب ہٰذا مختلف کتابوں کی مدد اور مثلوں، کہاوتوں سے استفادہ حاصل کر کے مرتب و مزین کی گئی ہے۔

مترجمین نے کتاب کے جس عنوان کا ترجمہ "گنتی" کیا ہے عبرانی زبان

کے الفاظ کا حقیقی ترجمہ "بیابان میں" درست ہے۔ لیکن موخرالذکر سے بھی یہ مراد نہیں کہ وہاں سوائے ریتلے صحرا کے اور کچھ نہیں تھا۔ آج بھی سینا کے جزیرہ نما میں یہ مقام نخلستان اور بہتے پانی کی ندیوں کا مقام ہے۔ اور علم طبقات الارض اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ گذشتہ زمانے میں کہیں زیادہ سرسبز و شاداب تھا "رتمہ" کے معنی صدا بہار صنوبر کے درختوں کے ہیں جبکہ "حسیرات" سے مراد وہ گاؤں یا پڑاؤ ہوتا ہے جس کے گرداگرد باڑ ہو اور خروج کے مطابق مدیان کے چرواہوں نے اپنے گلوں کے لئے یہاں ہی چارہ اور پانی پایا تھا۔ اور جوں جوں مدیان اور ادوم کے نزدیک پہنچتے جائیں یہ چراگاہیں اور چشمے زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔

کتاب ہذا کے چوبیسویں باب میں بلعام کی ایک پیشگوئی درج ہے جس کو ویل ہاسن کے خیال کے علماء نویں صدی ق م سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر ہم "البرائٹ" کے نظریہ کے مطابق بلعام کے زمانہ ہی سے متعلق سمجھیں تو پھر بھی اس نبوت کا تعلق "مسیح" سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ اکثر علمائے دین اور اہل ایمان کا خیال ہے۔ کیونکہ کتاب کا متن ایک ایسے فرمانروا کی نشاندہی کرتا ہے جس کا تعلق کسی روحانی سلطنت سے نہیں بلکہ مادی حکومت سے ہے۔ لکھا ہے

> یعقوب سے ایک ستارہ نکلے گا اور اسرائیل میں سے ایک عصا اٹھے گا۔ اور مواب کی نواحی کو مار مار کر صاف کرے گا۔ اور ہنگامہ کرنے والوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔ اور اس کے دشمن ادوم اور شعیر دونوں اس کے قبضے میں ہوں گے۔ اور اسرائیل دلاوری کرے گا۔ یعقوب کی نسل سے وہ

فرمانروا اٹھے گا جو شہر کے باقی ماندہ لوگوں کو نابود کر ڈالے گا

کیا مسیح نے ایسا کیا تھا؟

یقیناً اس کا جواب نفی ہے۔ کیونکہ مسیح نے تو اپنی حیات بابرکات میں کسی کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی اور نہ ہی اپنی زندگی میں ایک مخصوص علاقے سے باہر گیا ہے۔ اگر "مسیح" اپنی خدمت کے دوران مذکورہ بالا علاقوں میں برائے تبلیغ و اصلاح جاتا تو شاید ہم ان الفاظ کو روحانی معانی پہنا کر اپنا مقصد حل کر لیتے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا۔ جبکہ اس کے برعکس یہ حالات داؤد کے دورِ فرمانروائی سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ اور سموئیل کی دوسری کتاب کا آٹھواں باب اس پیشین گوئی کی تکمیل کرتا ہے۔ جہاں پر لکھا ہے۔

> اور اُس نے مواب کو مارا اور اُن کو زمین پر لٹا کر
> رسی سے ناپا۔

پھر ادومیوں کے متعلق مرقوم ہے۔

> اس نے ادوم میں چوکیاں بٹھائیں بلکہ سارے
> ادوم میں چوکیاں بٹھائیں۔ اور سب ادومی داؤد
> کے خادم بنے۔

ان اقتباسات کی رُو سے وہ فرمانروا۔ وہ عصا اور وہ ستارا جو یعقوب کی نسل سے طلوع ہونے والا تھا مسیح نہیں بلکہ اس کا جدِ امجد داؤد تھا۔

استثناء

یہ توریت کی پانچ کتابوں میں سے آخری کتاب ہے اور اپنے نام کے اعتبار سے دوسری شریعت یا دہرائی ہوئی شریعت کے معنے رکھتی ہے۔ اس کتاب

کے مصنف کے متعلق دو مکاتیب فکر کے لوگ الگ الگ رائے رکھتے ہیں۔ ایک طبقہ اس بات پر بضد ہے کہ یہ موسیٰ کی تصنیف ہے جبکہ دوسروں کے نزدیک موسےٰ کے زمانے میں اس کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ ویل ہاسن اور اس کے ہم خیال لوگوں کا دعویٰ ہے کہ استشنا کی کتاب یوسیاہ کے عہد میں یا اس سے کچھ پہلے مکمل لکھی گئی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ چند دیندار کاہنوں کی ایک جماعت نے اسے مرتب کیا۔ جو کہ شمالی سلطنت میں جلا وطن تھے۔ لیکن ہم ان دونوں گروہوں سے قطع نظر کتاب کے متن سے اختلاف الرائے عقائد کی تصدیق کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس بات کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کریں گے کہ یہ کتاب کہاں تک موسےٰ کی تصنیف ہے اور کہاں تک اس میں اسرائیلی کاہنوں کی تفاسیر۔ اوہام وقیاسیات۔ خیالی فلسفہ اور اپنے اجتہاد سے وضع کئے ہوئے فقہی قوانین شامل ہیں۔ جن کو انہوں نے اس حیثیت سے پیش کیا کہ گویا یہ سب خداوند تعالےٰ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔

جس طرح گذشتہ صفحات میں ہم دوسری کتابوں کے متعلق عرض کر چکے ہیں کہ موسےٰ کو مصنف کہنے کے باوجود اس کو واحد متکلم کے طور پر پیش کرنے سے قاصر ہیں وہی سلسلہ اس کتاب میں بھی نمایاں ہے۔ کتاب کے آغاز میں "یہ وہی باتیں ہیں جو موسےٰ نے کہیں" اور پھر "مواب کے میدان میں موسےٰ اس شریعت کو یوں بیان کرنے لگا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شریعت کی کتاب اس اصلی کتاب کی نقل نہیں جو موسےٰ نے مرتب کی ہوگی۔

ایک بنی

آسمان و زمین کے خالق و مالک خداوند تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ میں ایک صفت اس کا لاتبدیل ہونا ہے۔ گویا کہ وہ اپنے وعدوں سے اٹل اور اپنی باتوں سے پورا ہے۔ وہ جو کہتا ہے بعینہٖ اس کو اسی طرح معرضِ وجود میں لاتا ہے اور اس سے پہلے کہ ہم اپنے عنوان کے تحت اصلی موضوع کو زیرِ بحث لائیں یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس خدا کے متعلق مختلف راست بازوں کے ذریعہ جو تجرباتی نظریات پائے جاتے ہیں ان کا احاطہ کر لیں۔ جو کہ یوں مرقوم ہیں۔

۱۔ خدا انسان نہیں کہ جھوٹ بولے۔ اور نہ وہ آدم زاد ہے
کہ اپنا ارادہ بدل لے۔ کیا اُس نے جو کچھ کہا اُسے نہ
کرے۔ یا جو کچھ فرمایا ہے اُسے پورا نہ کرے۔
گنتی ۲۳/۱۹

۲۔ اور جو اسرائیل کی قوت ہے وہ نہ تو جھوٹ
بولتا اور نہ پچھتاتا ہے۔ کیونکہ وہ انسان نہیں
ہے کہ پچھتائے۔ ا سموئیل ۱۵/۲۹

۳۔ پر تو لاتبدیل ہے۔ اور تیرے برس لاانتہا
ہوں گے۔ زبور ۱۰۲/۲۷

۴۔ کیونکہ مَیں خداوند لاتبدیل ہوں اسی لئے اے
بنی یعقوب تم نیست نہیں ہوئے ملاکی ۳/۶

۵۔ اس لئے کہ خدا کی نعمتیں اور بلاوا بے تبدیل ہے
رومیوں ۱۱/۲۹

۶۔ ہر اچھی بخشش اور ہر کامل انعام اوپر سے ہے
اور نوروں کے باپ کی طرف سے ملتا ہے جس
میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اور نہ گردش کے
سبب سے اُس پہ سایہ پڑتا ہے۔ یعقوب ۱/۱۷

ہم ان حوالجات کی روشنی میں آپ کی توجہ اس "یقین" کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ وہ ایسا نہیں کرتا کہ زمین تخلیق کرنے کا حکم دے اور بعد میں وہاں سمندر بنا دے یا چاند بنانے کا ارادہ کرے اور اس مقام پر سورج بنا دے۔ لہذا آیئے اس کی اس صفتِ لاتبدیل کے تحت استثنا کی کتاب میں مرقوم اس پیشن گوئی کا تجزیہ کریں جہاں خداوند تعالےٰ نے موسےٰ سے کہا ہے کہ:

میں ان کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری
مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اُس کے
منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا
وہی وہ اُن سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو
جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سُنے گا تو میں اُس
کا حساب لوں گا۔ استثنا ۱۸/۱۸-۱۹

اور اس اقتباسِ عہد عتیق کی تصدیق پطرس اور ستفنس شہید نے بھی کی ہے۔ گویا کہ اس بات کی سند پیش کی ہے کہ وہ نبی جس کا وعدہ موسےٰ کی معرفت کیا گیا تھا وہ فی الحقیقت مسیح ناصری ہے۔ ملاحظہ ہو اعمال ۳/۲۲ اور ۷/۳۷ بلکہ اس کے علاوہ پطرس اسرائیلیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے
اے اسرائیلیو! یہ باتیں سُنو کہ یسوع ناصری ایک

شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر اُن
معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت
ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے۔

اعمال ۲/۲۲

لہٰذا ان آیات کی روشنی میں ہمارے لئے لمحہ تجربہ ہے کہ اگر مسیح اپنی ابتدائی پیشگوئی کے مطابق نبی اور پطرس کی تصدیق کے مطابق ایک شخص ہے۔ جس کا خدا کی طرف سے ہونا اس کے عجیب کاموں کے سبب ہم پر ظاہر ہوا۔ تو پھر اُس کو مجسم خُدا یا خدا کا بیٹا کہنا کہاں تک درست اور واجب ہے

جہاں تک نبی کا تعلق ہے مسیح نے اس کے خلاف کوئی دلیل پیش نہیں کی جس سے وہ یہ ثابت کرتا کہ مجھ سے پہلے جتنے آئے تھے وہ تو نبی تھے لیکن میں مجسم خدا یا خدا کا بیٹا ہوں۔ اس کی تعلیم کے ابتدائی دور میں جب وہ ہیکل میں جاتا تھا اور اُن کے عبادت خانہ میں تعلیم دیتا ہے تو اہل ناصرۃ اس کے متعلق مختلف چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ تو مسیح کہتا ہے

اور انہوں نے اُس کے سبب سے ٹھوکر کھائی مگر
یسوع نے اُن سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے
گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔

متی ۱۳/۵۷

یہ تو مسیحؑ کا اپنی ذات کے متعلق اعتراف تھا کہ وہ نبی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اُس کے ابتدائی معتقدین بھی اس کے متعلق یہی نظریہ یا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں نے اپنے عقیدے کا اظہار اس وقت کیا جب وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس کے گدھے کے پاؤں تلے کپڑے بچھاتے

ہوئے یروشلم میں داخلہ کے وقت اس کے ساتھ تھے۔ عقیدت مندوں کی اس بھیڑ سے لوگوں نے جب دریافت کیا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے یوں جواب دیا۔

بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرۃ کا نبی
یسوع ہے۔ متی ۲۱/۱۱

اور پھر وہ لوگ جن کے درمیان مسیحؑ نے معجزات کئے۔ وہ بھی اسی عقیدہ کے حامی تھے مسیح ناصری نبی ہے۔ لکھا ہے۔

اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی
ہم میں برپا ہوا ہے۔ اور خدا نے اپنی امت
پر توجہ کی ہے۔ لوقا ۷/۱۶

سامری عورت سے جب مسیح کنوئیں پر ملتا ہے۔ تو وہ بھی مسیح کی باتوں سے متاثر ہو کر کہتی ہے۔

اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے یوحنا ۴/۱۹

اور مسیح اس عورت کے ان الفاظ کی بالکل تردید نہیں کرتا۔ کہ اے عورت میں نبی نہیں ہوں بلکہ مجسم خدا یا خدا کا بیٹا ہوں۔ اور اس قسم کے اور بہت سے حوالہ جات ہیں جن سے مسیحؑ نبی ثابت ہوتا ہے۔

مفسرین مسیحؑ کو خدا ثابت کرنے کے لئے یوں تو عہد عتیق کے بہت سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ لیکن یوحنا کی انجیل کے پہلے باب کی چند آیات کو بطور سند پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کچھ یوں ہیں۔

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا
اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا

سب چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں
اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز
بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ یوحنا ۱: ۱-۳

اس اقتباس سے وہ حضرات جن الفاظ پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں وہ "کلام خدا تھا" ہیں۔ لیکن یہ کوئی طریقہ کار نہیں کہ انسان سیاق وسباق سے غافل ہو کر صرف اپنے دعوٰی کی تصدیق کے چند الفاظ پکڑ لے اور باقی الفاظ کو سرے سے جھٹلا دے۔ آئیے ذرا ان تمام آیات کو بنظرِ غائر مطالعہ کریں اور اس کا زبان کے لحاظ سے تجزیہ کریں۔ کیونکہ الفاظ کو زیر بحث لاتے وقت ہم "کلام خدا کے ساتھ تھا" اور "یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا" کو بھی نہیں جھٹلا سکتے۔ اگر آپ کسی بھی زبان میں گفتگو کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو براہ نوازش ذرا لفظ "ساتھ" کے متعلق بتا دیں کہ یہ زبان دانی کے حروف ترتیب میں اس کی کیا پوزیشن ہے۔ کیونکہ ہمارے علم ناقص کے مطابق جہاں کسی عبارت میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہاں لکھنے والے کو دو ذاتوں کی نشاندہی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ خدا اور کلام دو الگ الگ حیثیت کی ذاتیں ہیں۔ ورنہ عبارت شاید یوں ہوتی کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا تھا۔ لیکن ساتھ کا اضافہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم کلام کو خدا کہنے سے گریز کریں اور خدا کو کلام نہ کہیں۔ باقی رہا "اور کلام خدا تھا" کا مسئلہ تو اس کے متعلق ایک اختلاف تو موجودہ تراجم نے کیا ہے جس نے ہماری یہ الجھن کافی حد تک دور ہو جاتی ہے۔ امریکن ترجمہ کے مطابق "کلام خدا تھا" کی بجائے کلام کو الوہیت کے الفاظ دیئے گئے ہیں۔ اور یہ کسی حد تک درست ہے۔ کیونکہ اسی باب میں ذرا آگے بڑھیں تو لکھا ہے کہ "کلام مجسم ہوا" اور اگر ہم کلام کو خدا کہیں تو پھر گویا خدا

مجسم ہوا کا نظریہ ہمارے سامنے آجائے گا۔ لیکن ہمیں اس مجسم کلام کے متعلق یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ واقعی خدا تھا اور اس کے لئے ہمیں اپنی تحریر کو اس پیغام سے شروع کرنا ہوگا جو کہ فرشتہ ناصرۃ کی ایک کنواری بنام مریم کے پاس لے کر آیا تھا اور وہ پیغام لُوقا کے مطابق یوں مرقوم ہے۔

اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ خدا تعالٰے کا بیٹا کہلائے گا۔ اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔

اور جب مریم نے اس امر کا اظہار کیا کہ وہ مرد سے ناواقف ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک بچے کی ماں بن جائے تو فرشتہ نے پھر اس سے کہا۔

اور فرشتہ نے جواب میں اُس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالٰے کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔ اور اس سبب سے وہ مولودِ مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا۔

قارئین انجیل کے اس اقتباس سے خود ہی اندازہ لگائیں کہ مریم کے

بطن سے پیدا ہونے والا نومولود کس طرح خدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کے متعلق پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کا بیٹا کہلائے گا جس سے ظاہر ہوا کہ خدا ایک دوسری ہستی ہے جس کا اس بچے نے بیٹا کہلانا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔ کس طرح سے خدا تعالیٰ کی ذاتِ ازلی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا نے خود ہی انسانی شکل میں آنا تھا تو وہ داؤد کو اپنے باپ کی صورت میں کسی طرح بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ تو داؤد تو کیا اس سے بھی قبل تمام راست بازوں کا خود پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جس کو اس نے اس کے باپ داؤد کا تخت عطا کرنا تھا وہ نسلِ داؤد کا فرد اور ——— بہت بعد کی کوئی شخصیت ہو سکتی تھی۔ وہ اپنے لئے داؤد کی نسل کا ہونا کسی صورت میں گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ حقیقت بس یہی ہے کہ یہ پیدا ہونے والا مولودِ مقدس صرف خدا تعالےٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ جیسا کہ مریم کو فرشتہ نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ خدا تعالےٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔ گویا یہ خدا تعالےٰ کی قدرت کے سایہ کا ایک ظہور تھا جس کو ہم مسیح کہتے ہیں۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مسیح جب اپنے لڑکپن میں داخل ہوتا ہے تو انجیل نویس صاف الفاظ میں لکھتا ہے :-

اور یسوع حکمت اور قدوقامت میں اور
خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا

یہاں چار الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ۱- حکمت ۲- قدوقامت ۳- خدا اور انسان۔ اور ان چار الفاظ میں حکمت کا تعلق خدا سے اور قدوقامت کا تعلق انسان سے ہے۔ کیونکہ یسعیاہ کی پیشن گوئی کے مطابق مسیح کو

حکمت خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ لکھا ہے

اور خداوند کی روح اُس پر ٹھہرے گی۔ حکمت
اور فرد کی روح۔ مصلحت اور قدرت کی روح۔
معرفت اور خداوند کے خوف کی روح۔

گویا کہ مسیح کے تمام کام جن میں معجزات۔ تعلیم۔ فرمانبرداری اور دوسری تمام خوبیاں شامل ہیں۔ اسی روح کے وسیلہ سے تھیں جو اس پر ٹھہری تھی۔ اور پھر پولس نے اسی ایک روح کے وسیلے سے آنے والی نعمتوں کا بڑی وضاحت سے تذکرہ کیا۔ لکھتا ہے

نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر روح ایک ہی ہے۔ اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خداوند ایک ہی ہے اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہر شخص میں روح کا ظہور فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک کو روح کے وسیلہ سے حکمت کا کلام عنایت ہوتا ہے۔ اور دوسرے کو اُسی روح کی مرضی کے موافق علمیت کا کلام۔ کسی کو روح سے ایمان اور کسی کو اسی ایک روح سے شفا دینے کی توفیق۔ کسی کو معجزوں کی قدرت۔ کسی کو نبوت کسی کو روحوں کا امتیاز۔ کسی کو طرح طرح کی زبانوں کا ترجمہ کرنا۔ لیکن یہ سب تاثیریں ایک روح کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے بانٹتا ہے

۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۱۱

اور وہ روح خداوند تعالےٰ ہے۔ جس کا یوحنا نے بھی ذکر کیا ہے کہ خدا روح ہے۔ اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں اور پولس کی اس تفسیر کے مطابق ہم مسیحؑ کو دیگر انبیائے کرام سے زیادہ کوئی فوقیت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ہر ایک کو الگ الگ نعمت ملی تھی۔ اگر کسی نے مُردے زندہ نہیں کئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خداوند تعالےٰ کی نظر میں کمتر تھا بلکہ اس کے ذمہ یہ کام نہیں تھا۔ ممکن ہے اس میں علمیت کی روح ہو۔ حکمت کے کلام کی روح ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ہر راست باز خداوند تعالیٰ کے کام میں ایک دوسرے سے کسی صورت میں بھی کم نہیں۔ کیونکہ سب کا منبع ایک ہے چاہے نعمتیں فرق فرق ہوں۔ اور پھر اسی پولس نے جو طرح طرح کی نعمتوں کا قائل ہے، مسیحؑ کے متعلق کہا ہے کہ وہ خدا کی قدرت اور خدا کی حکمت ہے۔

خدا کی حکمت

اس سے پہلے کہ ہم خدا کی حکمت کے مختلف زاویوں پر نظر کریں۔ یہ ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ خدا کی حکمت کیا ہے؟ جس کو امثال کی کتاب کے آٹھویں باب میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے ہم اُس کی ازلیت و ابدیت کے متعلق مصنف کی رائے بیان کرتے ہیں۔ امثال $\frac{8}{22}$ سے شروع کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

خداوند نے انتظامِ عالم کے شروع میں اپنی قدیم
صنعتوں سے پہلے مجھے پیدا کیا۔ میں ازل سے
یعنے ابتداہی سے مقرر ہوئی۔ اس سے پہلے
کہ زمین تھی۔ میں اُس وقت پیدا ہوئی جب

گہراؤ نہ تھے۔ جب پانی سے بھرے ہوئے چشمے
بھی نہ تھے۔ میں پہاڑوں کے قائم کئے جانے
سے پہلے (اور ٹیلوں سے پہلے) خلق ہوئی۔ جبکہ
اُس نے ابھی نہ زمین کو بنایا تھا نہ میدانوں کو اور
نہ زمین کی خاک کی ابتدا تھی۔

اور یعیاہ کے مطابق خدا کی یہ حکمت ادراک سے باہر ہے۔ اور پھر اس کا سلسلہ مجسم نہیں بلکہ تقسیم ہے۔ اور یہ خدا کی طرف سے ہمیشہ عنایت کی جاتی ہے۔ اور دانی ایل اس کے متعلق کہتا ہے کہ "وہی حکیموں کو حکمت اور دانش مندوں کو دانش عنایت کرتا ہے"۔ اور پھر امثال ۲ باب ۶ میں "کیونکہ خداوند حکمت بخشتا ہے"۔ اور اس بخشش کے لئے ہمیں پھر لوقا کی انجیل میں واپس لوٹنا ہوگا جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور جو یوں مرقوم ہے۔

اور یسوع حکمت و قد و قامت میں اور خدا کی اور
انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔

اور اس آیت میں "ترقی کرتا گیا" کے الفاظ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ اگر مسیح مجسم ہوتا تو پھر اس میں ترقی کرنا چہ معنی دارد۔ اور یہ حکمت اسی لفظ کا بدل ہے جس کو یوحنا نے کلام کا نام دیا ہے۔ "ابتدا میں کلام تھا" کا اصل مقصد ابتدا میں حکمت تھی۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے صفحات میں حکمت کی اپنی زبان سے اس کا ازلی و ابدی ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ اور یہ حکمت ہی مسیح کو ودیعت کی گئی تھی جو کہ عمر کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس قدر کامل ہو گئی کہ اس نے انسانی نظام کے چیلنج کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا خوف ہے۔

دیکھ خداوند کا خوف ہی حکمت ہے اور بدی

سے دور رہنا خرد ہے۔ ایوب ۲۸/۲۸

ایک دوسرے نقطۂ نگاہ سے اگر ہم یہ کہیں کہ مسیح چونکہ خداوند تعالےٰ قادرِ مطلق کا ایک اقنوم یعنی جزو ہے۔ اس لئے وہ بھی خدا ہے تو یہ نظریہ بھی یوحنا عارف کے مکاشفہ اور دوسرے شاگردوں کی تحریر سے غلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صعود کے بعد مسیح کو خدا کی داہنی طرف بیٹھا ہوا پیش کرتے ہیں۔ جس سے مسیح کی ذات مقدس خداوند تعالےٰ سے علیحدہ حیثیت کی متحامل ہو جاتی ہے۔ اگر مسیح فی الحقیقت خدا تھا تو اس کا خدا کی دہنی طرف بیٹھنا چہ معنی دارد۔ کیونکہ قطرہ جب سمندر میں گرتا ہے تو وہ بھی سمندر ہی ہو جاتا ہے۔

حیاتِ سماوی میں بھی مسیح کا ذاتِ الٰہی میں مدغم نہ ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس کی ذات خدا کی ذات یا اس کا جزو نہ تھا۔ بلکہ اس کی قدرت کا ایک اعجاز تھا جس کو اس نے مریم کے بطن میں ایک بچے کی صورت دے کر اصلاحِ انسانی کا کام لیا۔ اور خدا کی اس فوق الفطرت پیدائش سے ان مادہ پرستوں کی فلاسفی کو رد کرنا تھا۔ جو انسانی پیدائش وحیات کو محض ایک مادی نظام کا نام دیتے ہیں۔ اور پیدائش وحیات کو من جانب اللہ نہیں مانتے۔ دوسرے ان حکیموں کی حکمت کو چیلنج تھا جو نبی کو محض اپنی طرح کا انسان سمجھتے ہیں۔ جو مختلف ریاضتوں کے بل بوتے پر انسانی برادری سے فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ خداوند تعالیٰ کا مقصد یہ کہنا تھا کہ نبی میری طرف سے میری حکمت و رضا کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں تو میرے نذیر ہوتے ہیں۔

سلسلۂ گفتگو مسیح کے خدا ہونے کے متعلق تھا اور اس ضمن میں ہم اس

سے بڑا کوئی اور ثبوت فراہم نہیں کر سکتے کہ مسیح نے بذاتِ خود بھی اپنے آپ کو خدا کہنے سے گریز کیا ہے۔ بلکہ اُس نے ہمیشہ "میرا بھیجنے والا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کی پوزیشن خدا کے نزدیک اس کے ایک خادم کی سی ہے۔ جیسا کہ متی نے یسعیاہ کی پیشنگوئی سے اقتباس کر کے اُسے مسیح کے لئے مستند قرار دیا۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ دیکھو یہ میرا خادم ہے۔ جسے میں نے چُنا۔ میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں اپنا روح اُس پر ڈالوں گا۔ متی ۱۲/۱۸

۲۔ ابراہام اور اسحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا۔ جسے تم نے پکڑوا دیا۔ اعمال ۳/۱۳

۳۔ خدا نے اپنے خادم کو اُٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا۔ تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اُس کی بدیوں سے ہٹا کر برکت دے۔ اعمال ۳/۲۶

۴۔ کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا ہیرودیس اور پنطس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے۔ اعمال ۴/۲۷

۵۔ اور تو اپنا ہاتھ شفا دینے کو بڑھا اور تیرے پاک خادم یسوع کے نام سے معجزے اور عجیب کام ظہور میں آئیں۔ اعمال ۴/۳۰

مندرجہ بالا حوالہ جات ان لوگوں کی طرف سے مسیح کے خادم ہونے کی تصدیق تھی۔ جو اس کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرتے تھے۔ جبکہ ان کے علاوہ مسیح نے خود بھی اپنے آپ کو خادم تسلیم کیا۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ لیکن میں تمہارے درمیان خدمت کرنے والے کی مانند ہوں۔ لوقا ۲۲/۲۷

۲۔ چنانچہ ابن آدم اسلئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے۔ متی ۲۰/۲۸
اب تو صاف طور پر عیاں ہو گیا ہے کہ مسیح کی بعثت کا مقصد خدا کے پروگرام کی خدمت تھی جو وہ زمانہ بزمانہ اور طرح بطرح مختلف انبیائے کرام کی معرفت ہوتی رہی۔ اور جس کا مقصد خداوند تعالٰے اور انسان کے درمیان باہمی ملاپ تھا۔ اس انسان کے ساتھ جو باغ عدن میں نافرمانی کے سبب اس کی حضوری سے بہت دور چلا گیا تھا۔ اور یہ مفاہمت اس وقت ہی ممکن ہے جب انسان اس ضابطۂ سماوی کے تحت ہو جائے جو اس نے ابتدائے آفرینش سے اس کیلئے تیار کیا ہوا ہے۔ اور مختلف ادوار میں مبعوث ہونے والے نبیوں کا مقصدِ بعثت صرف اُس ضابطہ کو رائج کرنا تھا تاکہ انسان اس پر عمل پیرا ہو کر ابلیس کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لے۔

نوح۔ ابراہام۔ اسحاق۔ یعقوب اور موسٰے کے علاوہ جن کو خداوند تعالٰے نے اپنا خادم یا بندہ کہا ہے۔ ذرا اُن کے متعلق بھی دیکھ لینا ضروری ہے تاکہ ہمارے ذہن میں یہ بات اچھی طرح سے جم جائے کہ خداوند تعالٰے ہر دور میں اپنا کلام اور کام کرنے کے لئے بندے چن لیتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ بات ملاحظہ ہو۔

۱۔ پر اس لئے کہ میرے بندہ کالب کی کچھ اور ہی طبیعت ہے۔ اُس نے میری پوری پیروی کی ہے۔ میں اس کو اس ملک میں جہاں وہ ہو آیا ہے، پہنچاؤں گا اور اس کی اولاد اس کی وارث ہو گی۔ گنتی ۱۴/۲۴

اور اس کے بعد علے الترتیب اگر ہم دیکھتے جائیں تو یشوع۔ سیموئیل۔ ایلیاہ یسعیاہ۔ دانی ایل اور دیگر انبیائے کبریٰ اور انبیائے صُغریٰ کو اپنا خادم کہا ہے لہٰذا اگر ہم مسیح کو خدا کا خادم اور چنا ہوا کہتے ہیں۔ اور دوسرے مقدسین کے متعلق

لیبھی بھی رائے رکھتے ہیں تو اس حساب سے مسیح بھی ان کی طرح ایک نبی تھا ورنہ ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اُن کو بھی خدا اور خدا کا بیٹا کہیں۔ اگر مسیح کے لئے دلائل واعتراف کے وسیلہ خادم ہونا ثابت نہ ہوتا تو پھر یہ ممکن تھا کہ ہم مسیح کو انبیائے سلف سے افضل ترین قبول کر لیتے۔ لیکن جب سب کے لئے، خادم ہونا ہی ثابت ہے تو پھر مالک کی مرضی ہے کہ وہ جس خادم سے جتنا اور جیسا چاہے کام لے۔ اور یہ اصول ہے کہ خادم کبھی بھی مالک یا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

نمونہ

قبل از گناہ کا آدم ایک ایسی شخصیت تھی جس کا تعلق براہ راست خدا تعالٰے سے تھا۔ لیکن گناہ کے بعد اس کا وہ تعلق جب ٹوٹ گیا تو خداوند تعالیٰ مختلف انبیائے کرام کی معرفت انسان کو اس سٹیج پر لانے کی تڑپ محسوس کرتا رہا جہاں سے وہ گرا تھا۔ اور مسیح اس سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ تاکہ وہ انسان اور خدا کا ملاپ کرائے۔ لیکن خدا سے ملاپ کے لئے چند اصول اور ضوابط کو ملحوظِ خاطر رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے اور ان قواعد وضوابط کی تشہیر نبیوں کی زبان سے ہوئی۔ جبکہ ان کا عملی ثبوت ان کی زندگیوں سے عیاں تھا۔ اور ہم کہیں بھی ان کے قول وفعل میں تضاد پر انگشت نمائی نہیں کر سکتے۔ گویا کہ نبی کی بعثت ایک نمونہ تھی ان انسانوں کے لئے جو کسی کام کے کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کے کلام پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ انسانی نیچر سے ناممکن ہے۔ چونکہ خدا انسان سے ویسے ہی کام کی توقع کرتا ہے جیسے کہ اس کے برگزیدوں نے کئے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام اور انسانی نسل کا جبلی وفطری تقاضا ایک ہے۔ کیونکہ اگر خدا کسی فوق الفطرت ہستی کو ہمارے

درمیان بھیجے اور پھر ہم سے کہے کہ یہ تمہارے لئے ایک نمونہ ہے۔ اصولاً غلط ہے۔ لہذا اگر مسیح نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے اور بعد ازاں کے برگزیدوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسیح ہمارے لئے نمونہ ہے تو پھر ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ مسیح جبلی اور فطری طور پر ہماری طرح انسان تھا۔ جس نے رضائے خداوندی کو فنا فی اللہ کی حد تک قبول کیا۔ اور وہ صورت اختیار کر لی جس پر خداوند تعالےٰ نے ہم کو بنایا تھا اور جو قبل از گناہ آدم کی تھی جیسا کہ پولس نے کہا ہے۔

اور ایمان کے بانی اور کامل کرنے والے یسوع
کو تکتے رہیں۔ جس نے اس خوشی کیلئے جو اس
کی نظروں کے سامنے تھی۔ شرمندگی کی پرواہ نہ کر کے
صلیب کا دکھ سہا اور خدا کے تخت کی داہنی طرف
جا بیٹھا۔ عبرانیوں ۱۲-۲

گویا کہ مسیح کے سامنے بھی ایک منزل تھی "اس خوشی کے لئے" سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور دوسرا مقصد اس ایمان کو از سرِ نو تازہ کرنا تھا جس کے باعث قبل از شریعت کے راستباز خداوند تعالےٰ کی آواز سنتے اور اس کی بتائی ہوئی راہوں پر گامزن ہوتے تھے۔ اور اس کی تفصیل ہم اس سے پہلے بھی کہیں دے چکے ہیں کہ مسیح کا مقصد انسانی تحت الشعور کی پاکیزگی تھی۔ وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ انسان اگر اندرونی طور پر راہِ راست پہ آجائے گا تو اس کی مادی زندگی خود بخود ہی درست ہو جائے گی۔ گویا اگر اس کو لالچ سے نفرت ہو جائے تو وہ کبھی بھی ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ نہیں کرے گا۔ اگر وہ بری نظر سے کسی عورت کو نہیں دیکھتا تو لامحالہ زناکاری، شہوت پرستی اور یہاں

تنگ کر آواز ے کسنے سے بھی باز آجائے گا۔ اور قبل از شریعت کے تمام انبیائے کرام کی تعلیم یہی رہی ہے۔ جن کو ہم دورِ ایمان کے نبیوں سے یاد کرتے ہیں۔ اور انجیل ایسے حوالہ جات سے بھری پڑی ہے جس سے مسیح کو بطور نمونہ قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ میرا جُوا اپنے اوپر اٹھا لو۔ اور مجھ سے سیکھو
کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری
جانیں آرام پائیں گی۔

متی ۱۱/۲۹

۲۔ کیونکہ میں نے تم کو ایک نمونہ دکھایا ہے۔ کہ
جیسا میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی کیا کرو

یوحنا ۱۳/۱۵

دوسرے اقتباس میں پاؤں دھونے کے علاوہ اگر اس آیت کی وسعت پر نظر کریں تو گویا ہمیں اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ تم بالکل ویسا ہی کرو جیسا میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ اور یہ الفاظ زندگی کے ہر شعبے میں روشنی کا کام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ مسیح کا سبق ان باتوں پر عمل کر کے اپنے کو صالح کرنے کی طرف اشارہ ہے جو کہ اس نے بتائی تھیں۔ اور ان تمام باتوں کو مسیح نے مجموعی طور پر یوں فرمایا ہے۔

جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل
کرتا ہے۔ وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور
جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے باپ
کا پیارا ہو گا۔

یوحنا ۱۴/۲۱

اور اس کے ساتھ ساتھ مسیح نے استثنا کی پیشنگوئی کے ان الفاظ کی بھی تصدیق کر دی ہے جن میں خداوند تعالےٰ نے کہا تھا کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔"

اور جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا۔ یوحنا ۱۴/۲۴

جس سے ثابت ہوا کہ مسیح بالکل وہی شخصیت ہے جس کی نشاندہی موسےٰ نے خداوند تعالےٰ سے ہدایت پاکر کی تھی اور وہ نبی کی بشارت تھی۔ اور نبی قوموں اور امتوں کے لئے بطور نمونہ مبعوث کئے جاتے ہیں۔

اد درمیانی

کیونکہ خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے۔ ۱۔ تیمتھیس ۲/۵

۲۔ پس اے بھائیو! تم جو آسمانی بلاوے میں شریک ہو۔ اس رسول اور سردار کاہن یسوع پر غور کرو۔ جس کا ہم اقرار کرتے ہیں، عبرانیوں ۳/۱

پیدائش

۱۔ اور اُس (مریم) کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا۔ متی ۱/۲۵

۲۔ اور اس کا پہلوٹا بیٹا پیدا ہوا اور اُس نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا۔ کیونکہ اس کے واسطے سرائے میں جگہ نہ تھی۔ لوقا ۲/۷

انسانی روح اور جان

۱۔ اُس وقت اُس نے اُن سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ متی ۲۶/۳۸

۲۔ یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا۔ لوقا ۲۳/۴۶

ختنہ

جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا۔ جو فرشتہ نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔ لوقا ۲/۲۱

قد و قامت

اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔ لوقا ۲/۵۲

آنسو

۱۔ جب نزدیک آکر شہر کو دیکھا تو اس پر رویا۔ لوقا ۱۹/۴۱

۲۔ یسوع کے آنسو بہنے لگے۔ یوحنا ۱۱/۳۵

بھوک

۱۔ اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے
آخر اُس کو بھوک لگی۔ متی ۲/۴

۲۔ اور جب صبح کو پھر شہر کو جا رہا تھا تو اسے بھوک
لگی۔ متی ۱۸/۲۱

پیاس

۱۔ ......یسوع نے اس سے کہا مجھے پانی پلا۔ یوحنا ۷/۴

۲۔ ...... تو کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ یوحنا ۲۸/۱۹

نیند

۱۔ مگر وہ سوتا تھا متی ۲۴/۸

۲۔ اور وہ خود پیچھے کی طرف گدی پر سو رہا تھا۔ مرقس ۳۸/۴

تھکاوٹ

چنانچہ یسوع سفر سے تھکا ماندہ ہو کر اس کنوئیں
پر یونہی بیٹھ گیا۔

غم و پریشانی

۱۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی
سے دُعا کرنے لگا۔ اور اُس کا پسینہ گویا خون
کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔ لوقا ۴۴/۲۲

۲۔ دل میں نہایت رنجیدہ ہوا۔ یوحنا ۳۳/۱۱

۳۔ اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں
اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا...... یوحنا ۲۷/۱۲

الغرض اس کے علاوہ سینکڑوں ایسے حوالہ جات ہیں جن سے اُس کے اندر جبلی اور فطری تقاضوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اور اس کی شخصیت ایک کامل انسان اور نبی کی مانند ہمارے سامنے آجاتی ہے: انسان اور مسیح میں جو بات ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی ہے۔ وہ اس کی ذات کی پاکیزگی تھی۔ ورنہ وہ گناہ کے سوا تمام باتوں میں انسان کی مانند تھا۔ کیونکہ وہ ابنِ آدم اور ابراہام کی نسل میں سے تھا۔

مسیح بطور انسان

یوحنا کا بپتسمہ گناہ کی معافی کا بپتسمہ تھا۔ لیکن مسیح کا اس کی خواہش کرنا اور یوحنا کو مجبور کرنا کہ وہ اسے بپتسمہ دے اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مسیح ایک انسان تھا۔ جو اس رسم کو راستبازی کی تکمیل کا آخری جزو سمجھتا تھا۔ کیونکہ کرنتھیوں ۱۲ کے مطابق بپتسمہ میں روح کو پاک کرنے والا فضل جس کی محرومی موروثی گناہ ہے بخش کر پاک وصاف کرتا ہے۔

اب یہاں پر ایک نیا سوال ابھرآیا ہے۔ کہ کیا مسیح بھی موروثی گناہ میں شامل تھا؟۔ جو وہ یوحنا کے پاس آیا جبکہ یوحنا کا بپتسمہ لینے والے لوگ پہلے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے تھے۔ اور اس کیلئے ہم مسیحیت کے اس اصول کو ضرور مدِنظر رکھیں گے جو کہ روح القدس کی تحریک سے عورت کے لئے بنایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت
فریب کھاکر گناہ میں پڑ گئی۔ لیکن اولاد
ہونے سے نجات پائے گی۔ بشرطیکہ

وہ ایمان اور محبت اور پاکیزگی میں پرہیزگاری
کے ساتھ قائم رہیں۔ ا۔ تمتھیس ۲ : ۱۵

لہٰذا مریم مقدسہ کا گیت اسی فلاسفی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جب وہ کہتی ہے۔

میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے۔ اور میری
روح میرے منجی خدا سے خوش ہوئی۔ کیونکہ
اس نے اپنی بندی کی پست حالی پر نظر کی۔

گویا مریم جب پیغامِ خداوندی سُن کر حق تعالےٰ کے بزرگ کی بشارت پاتی ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس بچے کی پیدائش کے بعد وہ اس گناہ سے نجات حاصل کرے گی۔ جو کہ بنتِ حوا ہونے کی حیثیت میں اُس کی گھٹی میں شامل ہے۔ چونکہ مریم حوا کے گناہ میں شامل تھی اس لئے لازم ہے کہ وہ بچہ جو اس کے خون کی خوراک سے پرورش پا رہا تھا اس میں وہ تمام جبلی و فطری میلانات ہوں۔ جن کی بدولت وہ ابنِ آدم اور ابنِ داؤد کہلایا۔ اور مسیح کا بپتسمہ حاصل کرنا محض ان فطری تقاضوں کو قابو میں کرنے کے لئے ایک عزم اور اعتماد کا آغاز تھا۔ کیونکہ مفکرینِ دین کے مطابق "بپتسمہ فضل کی محرومی اور خدا سے منحرف ہونا دور کر دیتا ہے۔ اور ہم کو وہ پاک کرنے والا فضل اور خداوند تعالےٰ کی فرزندی عطا کرتا ہے جو آدم کو زوال سے پہلے عنایت کئے گئے تھے۔ لیکن بپتسمہ موروثی گناہ کے دیگر تاثرات مثلاً شہوت۔ بیماری۔ جہالت۔ دکھ اور موت دور نہیں کرتا۔ لیکن روح پر ایک اندرونی اثر ضرور کرتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ مسیح جو اس سے قبل تیس سال تک والدین کے ساتھ بڑھئی کے کام میں مصروف

ہوا بپتسمہ حاصل کرکے اس کام کے لئے تیار ہُوا جو کہ اُس سے خداوند تعالےٰ لینا چاہتا تھا۔ اور جس کے لئے وہ چُنا گیا تھا۔ اگر مسیح بذاتِ خود خدا یا اُس کا جزو ہوتا ہے تو اس کو ان رسومات سے کیا علاقہ تھا۔ وہ تیس برس کی مخصوص عمر تک کیوں رُکا رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ حکمت اور قدوقامت میں ترقی کر رہا تھا۔ اور بتدریج ترقی کرنا صرف انسانی خصلت میں شامل ہے۔ جبکہ خدا بذاتِ خود بتدریج ترقی کرکے خدا نہیں بنا ہے بلکہ ازل سے ابد تک ایک سا ہے۔

نزولِ رُوح القدس

عہد عتیق اور جدید میں، روح القدس کا نزول ہمیشہ نبیوں، برگزیدوں اور خداوند تعالےٰ کے راست باز بندوں پر ہُوا ہے کیونکہ وہ انسان تھے اور رُوح القدس کی مدد کے خواہاں تھے تاکہ خدا کے اس مشن کو پورا کر سکیں جو اس نے بنی نوعِ انسان کے لئے تیار کیا ہے۔ اور ان بھیدوں کو جان سکیں۔ جو خدا ہم تک پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مسیحؑ پر روح القدس کا نزول اُن خیالات کی نفی کرتا ہے۔ جن کے باعث ہم مسیح کو مجسم خدا مانتے ہیں۔ اگر خدا خود ہی مجسم ہو گیا تھا تو اس کو تیس سال کی عمر میں روح القدس کی مدد کی کیا ضرورت تھی۔ پس ظاہر ہے کہ روح روح القدس کے نزول کا حقدار نسلِ انسانی سے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ خداوند تعالی کی یہی ایک قوت ہے جس کے وسیلہ سے وہ آدمیوں کو چُنتا اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈال کر انسان کے لئے راہِ نجات کا تعین کرتا ہے۔

آزمائش

بپتسمہ حاصل کرنے کے بعد مسیح چالیس دن اور رات بھوکا رہتا ہے۔ اور ابلیس اسے آزمانے کیلئے آجاتا ہے۔ انجیل کے اس بیان میں دو باتیں خصوصی توجہ کی طالب ہیں۔ پہلی تو مسیح کی چالیس روزہ ریاضت ہے۔ اور یہ انسانی خصلت ہے کہ وہ تیاری کیلئے روزہ یا فاقہ کی محنت برداشت کرتا ہے۔ اگر مسیح مجسم خدا تھا تو اس کو اس چالیس روزہ ریاضت کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے ابلیس کی آزمائش کا اطلاق بھی نسلِ انسانی پر ہوا ہے۔ خدا کو آزمانا ابلیس کے بس کی بات نہیں۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے فرشتوں پر بھی اس نیر کو آزما نہیں سکتا۔ ابلیس ہمیشہ انسانی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بھی انسان تھا۔ جسکے باعث ابلیس کو اتنی جرات ہوئی کہ وہ اس کو آزمائے۔ اور وہ کمزوری بھی انجیل پر بھوک بتائی گئی ہے۔ جبکہ خدا کو بھوک اور پیاس۔ سونے جاگنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی خواہ وہ کسی بھی قالب میں نہ ڈھل جائے۔ شکر کو دودھ میں ڈال دیں یا کسی میں وہ اپنی مٹھاس کا وجود ہر جگہ قائم رکھتی ہے۔ اگر مسیح فی الحقیقت مجسم خدا تھا تو وہ ان انسانی کمزوریوں کو کسی بھی صورت میں اپنے قریب نہ آنے دیتا۔ جن کے باعث اس کی عظمت اور وقار مجروح ہو جاتا۔

القصہ مسیح استثنا کی پیشگوئی کے مطابق ایک نبی تھا۔ جو موسیٰ کے بھائیوں میں سے تھا۔ اور اس کی مانند تھا۔ خدا نے اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالا تھا جس سے وہ معجزات اور کلام کرتا تھا۔ یعنی کہ وہ روح القدس کے نزول سے معمور تھا۔ جس طرح کہ انبیائے اسلاف اور برگزیدہ تھے۔

اختتام

فلسفہ اور منطق سے تو ہم جس کو جو چاہیں ثابت کر سکتے ہیں۔ مسیح کی برگزیدگی اور پاکیزگی تو اظہر من الشمس ہے۔ ہم خیالات کے بحران میں کسی سائنسدان کو بھی خدا ثابت کر سکتے ہیں۔ لیکن جوانمردی کا تقاضا یہی ہے کہ حقائق کا خون نہ ہونے پائے۔ ہم نے مسیح کو نبی ثابت کیا ہے تو اس میں کسی تعصب یا کوتاہ نظری کا دخل نہیں۔ بلکہ ملتِ مسیحی کیلئے ایک لائحہ عمل مرتب کرنے کی فکر ہے۔ کیونکہ قوموں کا وجود ہمیشہ اپنے رہنماؤں کے نقشِ قدم پر چلنے سے قائم رہتا ہے۔ اگر ہمارا راہنما ہی خدا ہو تو بھلا ہم خاکی انسان اس کے نقشِ قدم پر کیسے چل سکتے ہیں۔ اس لئے خدا بھی انسانوں میں سے انسان تلاش کرتا ہے جس کو وہ اپنے سماوی نظام کے تحت تربیت دے کر دوسروں کیلئے قابلِ تقلید بناتا ہے۔ کیونکہ

کُند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

خوش آمدید

بیسویں صدی کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس نے مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اذہان عالم کو بھی جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہے، اور آج ذی فہم لوگ تحقیق و تفتیش میں سرگرداں نظر آ رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مذہبی اداروں نے بھی کروٹ بدلی ہے کہ وہ عامۃ الناس کی روحانی زندگی کو اُن خطوط پر استوار کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ جس سے بہت سے غلط عقائد کی نشان دہی اور قلع قمع کرنے کی اُمید سامنے آ رہی ہے، اور اس تحریک میں ورلڈ کونسل وچ چرچز سب سے زیادہ مبارکباد کی حقدار ہے جو محنت شاقہ سے کتاب مقدس کو ان تمام آلائشوں سے پاک کر رہی ہے جو دشمن عناصر نے اس میں ٹھونس دیئے تھے

میں اُن ذی فہم اصحاب اور پاکستان میں ترجمہ کرنے والی کمیٹیوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلہ میں میری کاوش کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں کیونکہ نعمتیں طرح طرح کی ہیں لیکن رُوح ایک ہے۔

قطرہ قطرہ می شود دریا!

ماخذ

۱۔ کتاب مقدس

۲۔ ہماری کتب مقدسہ

۳۔ تاریخ اصلاح کلیسیا

۴۔ تفہیم القرآن

۵۔ مجابات (مسیحی تعلیم)

۶۔ ستیارتھ پرکاش

۷۔ ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام

۸۔ سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ (اسکی حقیقت کلام مقدس کی روشنی میں)

۹۔ Things in wich it is impossible for God to lie

ایشیا اور خصوصاً پاکستان اور بھارت کی مسیحی لڑکیاں اور لڑکے ایک ایسی ازدواجی زندگی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں جس کی کوئی گرہ بھی ڈھیلی نہیں۔

یہ کس کا تصور ہے ؟

مذہبی ٹھیکیداروں کا یا کلامِ مقدس کی غلط تفسیر کا ؟

پاکستان ۱۹۴۷ء میں آزاد ہو گیا ہے !

لیکن مسیحی ۱۸۷۲ء کے قانونِ ازدواج کے تحت ہیں

کیا ہم پاکستانی نہیں ـــ حکومت سے اپیل ـــ مذہب کے علمبرداروں سے اپیل و احتجاج

مسیحی قانونِ ازدواج

ایک ایسی کتاب جس میں معاشرتی مسائل کو کلام کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ؟

فیتھ پبلشرز ۔ وِنڈالہ روڈ شاہدرہ غربی لاہور

مظہر بابل

جلد دوم

(زیر طبع)